فروغِ مرثیہ

سہ ماہی

کینیڈا

(سولھواں شمارہ)

چوتھا سال

مئی ۲۰۲۴ء بمطابق شوال ۱۴۴۵ھ

ایڈیٹر

اصغر مہدی اشعر

اِس شمارے میں شامل مضامین، تنقیدی رائے یا شعری وفکری خیال سے اِدارے کا متفق ہونا ضروری نہیں

ادارے کی بتیسویں پیش کش

سہ ماہی

کینیڈا

فروغِ مرثیہ

مئی ۲۰۲۴ء بمطابق شوال ۱۴۴۵ھ

ایڈیٹر

اصغر مہدی اشعر

جملہ حقوق بحقِ فروغِ مرثیہ انٹرنیشنل محفوظ ہیں

عنوان	:	فروغِ مرثیہ (سولھواں شمارہ)
اشاعت	:	مئی ۲۰۲۴ء
تعدادِ اشاعت	:	۵۰۰
ایڈیٹر	:	اصغر مہدی اشعر
ناشر	:	فروغِ مرثیہ انٹرنیشنل، کینیڈا
طابع	:	RB پرنٹرز اینڈ پبلشرز، کراچی
قیمت فی شمارہ	:	۱۵/ڈالر، ۱۰/پونڈ
ای میل	:	faroghemarsiya@gmail.com
فون	:	+1-905-462-9211
پتہ	:	441 JELINIK TERRACE, MILTON ONTARIO, CANADA L9T7N2

فروغِ مرثیہ

سہ ماہی

کینیڈا

ترتیب

۱۔اداریہ ---------- اصغر مہدی اشعر (کینیڈا) ---------- ۴

۲۔سلام ---------- عارفؔ امام (امریکہ) ---------- ۵

۳۔سلام ---------- اطہرؔ حسنین (کینیڈا) ---------- ۶

۴۔سلام ---------- اخترؔ آصف زیدی (کینیڈا) ---------- ۷

۵۔سلام ---------- کلیمؔ ظفر (کینیڈا) ---------- ۸

۶۔سلام ---------- جوہرؔ عباس (پاکستان) ---------- ۹

۷۔بوہرا فرقے کے مرثیہ نگار ---------- شہابؔ کاظمی / ارشد موسوی (امریکہ) ---------- ۱۰

۸۔غیر مطبوعہ مرثیہ۔شہید حق ---------- ڈاکٹر مظہر عباس رضوی (پاکستان) ---------- ۲۳

۹۔مرثیہ الحمد، ایک تجزیاتی مطالعہ ---------- عادل مختار (پاکستان) ---------- ۳۱

۱۰۔غیر مطبوعہ مرثیہ بہ عنوان سفر ---------- ڈاکٹر وفا نقوی (انڈیا) ---------- ۳۷

۱۱۔اُردو مرثیے میں خانہ غم کی تصویریں ---------- پروفیسر مہتاب حیدر نقوی (انڈیا) ---------- ۷۰

۱۲۔غیر مطبوعہ مرثیہ ---------- شگفتہ دلشادؔ (پاکستان) ---------- ۷۵

۱۳۔مرزا جعفر علی خاں اثرؔ لکھنوی ---------- زرّیں سلطانہ (انڈیا) ---------- ۷۶

۱۴۔ایڈیٹر کے نام خط ---------- پروفیسر مہتاب حیدر نقوی (انڈیا) ---------- ۷۹

اداریہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فروغِ مرثیہ کے ان شماروں کا سفر چار سال مکمل کر چکا ہے، سولھواں شمارہ آپ کے پیشِ نظر ہے، ان شاء اللہ سترویں شمارے سے پانچویں سال کی شروعات ہوگی۔ اس شمارے میں اس اداریے کے علاوہ پانچ سلام، تین مرثیے اور چار مضامین آپ کی خدمت میں پیش کیے جا رہے ہیں، آپ کی تنقید اور رائے کا انتظار رہے گا۔

اس اداریے میں ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ ان منصوبوں سے آپ کو آگاہی دی جائے جو تکمیل کے مراحل طے کر رہے ہوں، ''دبیرؔ کے مرثیے جلد پنجم'' مکمل ہو چکی ہے اور آخری گھٹائی کے بعد اشاعت کی سرحدیں عبور کر سکے گی۔ صغیرؔ سونوی کی کلیات جلد اوّل بھی مکمل ہے اور آخری گھٹائی کی منتظر ہے۔ ابرؔ جون پوری کے مرثیے بھی جلد آپ کے سامنے ہوں گے، اس کے علاوہ فرہنگِ مونسؔ اور ''مونسؔ کے مرثیے'' کی جلدوں پر کام جاری ہے اور دبیرؔ کے ساتھ ساتھ مونسؔ کے مرثیے بھی ان شاء اللہ ملکِ رثا کے رہنے والوں کو جلد میسر ہوں گے۔

اکثر احباب اپنے پیغام بھیجتے ہیں جن میں یہ سوال ہوتا ہے کہ فلاں بیت کس مرثیے کی ہے یا فلاں سوز کس مرثیے سے لیا گیا ہے، یہی نہیں بلکہ کبھی کبھار یہ بھی دکھائی دیتا ہے کہ سوشل میڈیا پر دبیرؔ کا مرثیہ انیسؔ اور انیسؔ کا مرثیہ دبیرؔ کے نام سے منسوب کر دیا جاتا ہے۔ مرثیے کے طالبِ علم کی حیثیت سے آپ کے لیے چند گذارشات ضروری ہیں، ہم سے پہلے جو کتابیں اشاعت کی منزلیں عبور کر چکی ہیں جہاں مرثیوں کے ضمنی مطلع یا بند لے کر سوز کے طور پر شامل کیے گئے ہیں ان میں اکثر میں حوالہ جات کا فقدان ہے کہ کس مرثیے کے کس بند تک یہ سوز منتخب کیے گئے ہیں، چوں کہ یہ کتابیں چھپ چکی ہیں لہٰذا کچھ تبدیلی نہیں کی جا سکتی اکثر کتابوں میں شاعر کا نام بھی درج نہیں جس سے پڑھنے والا اگر چاہے کہ اصل مرثیے کا حوالہ جان سکے تو ناممکن ہے۔ دوسرا یہ کہ سوشل میڈیا اور وکی پیڈیا کو حوالے کے طور پر اکیڈیمیا میں تسلیم نہیں کیا جاتا، جب تک کوئی کلام مطبوعہ نہ ہو یا اس کا حوالہ کوئی کتاب، رسالے یا اخبار نہ ہو اس وقت تک اسے حوالے کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا لہٰذا درخواست ان تمام مرثیے کے چاہنے والوں سے کہ جو کلام پیش کریں تو شاعر کا نام اور کتاب کا حوالہ ضرور پیش ہو تا کہ اس کشمکش سے بچا جا سکے کہ یہ مرثیہ کہاں سے لیا گیا اور کس شاعر کا ہے۔ الحمدُللہ کچھ ایسے منصوبے ذہن میں ہیں جن سے مرثیہ فہمی اور مرثیہ شناسی کی ان مشکلات کو بھی دور کیا جا سکے گا، اس وقت تک ضروری ہے کہ مرثیہ پیش کرنے والا مرثیے اس کے حوالے کو بھی مدِّنظر رکھے اور سوشل میڈیا پر جاری بحثوں کو ایک طرف رکھ کر کتابی سطح پر حوالے پیش کیے جائیں تا کہ مغرب کے اشاعتی اصولوں کے مطابق مرثیوں کی طباعت ہو اور ان کی اشاعت میں بھی یہی معیار مدِ نظر رہے الغرض خوشی اس بات کی ہے کہ آج کی نوجوان نسل فروغِ مرثیہ کی پچھلے دس سال کی کوششوں کے نتیجے میں مرثیے سے جُڑ رہی ہے اور یہ سوال فروغِ مرثیہ کا باعث ہیں، ہمارا ذمہ یہ ہے کہ ہم ان نوجوان ذہنوں کو کتاب کی طرف دوبارہ راغب کریں تا کہ وہ اسمارٹ فون کے بجائے مطالعے کو فوقیت دیتے ہوئے اپنے ذہن کی نشوونما میں وقت صرف کر سکیں۔

دعاؤں کا طالب
اصغر مہدی اشعر
۲۱/اپریل، ۲۰۲۴ء، بوقت: صبح ۱۱ بجے
ملٹن، کینیڈا

سلام

عارفؔ امام

قریبِ آبِ رواں ، تشنگی بچائے ہوئے
کوئی کھڑا ہے اکیلا علم اٹھائے ہوئے

نہیں جو تیغ تو نیزہ ہی دیجیے مولاؑ
زمانہ ہو گیا بازو کو آزمائے ہوئے

شبیہِ صاحبِ معراجؐ ہے جوانِ حسینؑ
فرس اُڑا ہے اسے زین پر بٹھائے ہوئے

یہ کون ہیں؟ کسے شمشیریں پیش کرتے ہیں؟
نظر ہٹائے ہوئے ، گردنیں بڑھائے ہوئے

الٹ دیں جنگ کا نقشہ اگر اجازت ہو
ہم آسماں سے ہیں مولاؑ زمیں پہ آئے ہوئے

ہے کربلا ، یہاں تنہا نہیں حسینؑ کے زخم
یہاں رسولؐ ہیں سینے پہ چوٹ کھائے ہوئے

اذانِ فجر پہ لشکر سے حُرؑ نکل آیا
رہا گیا نہ مصلّے پہ منھ چھپائے ہوئے

گزر رہا ہے کوئی کاروانِ اہلِ رِضا
سفر کی دھول کو سر کی ردا بنائے ہوئے

نہیں نہیں مری شہزادیؑ اور زمیں پہ قدم؟
قدم قدم پہ فرشتے ہیں پر بچھائے ہوئے

کہاں ہیں بوذرؓ و سلماںؓ کہ بر سرِ دربار
بشکلِ خطبۂ زینبؑ ، علیؑ ہیں آئے ہوئے

دعا و گریۂ و فرشِ عزا و ذکرِ حسینؑ
یہ نسخے سارے ہیں بیمارؑ کے بتائے ہوئے

ہمیں سکھائے نہ واعظ رسومِ عشق کہ ہم
ازل کے دن سے ہیں سیکھے ہوئے سکھائے ہوئے

اٹھائے سر کہیں محوِ خرام ہے مرا عکس
میں چل رہا ہوں کہیں اپنا سر جھکائے ہوئے

گرے جو آنکھ سے، رومالِ سیدہؑ میں گرے
خزانہ ہو گئے آنسو مرے لٹائے ہوئے

یہ راز کھل گیا سب پر بوقتِ غسل و کفن
میں جی رہا تھا کسی زخم کو چھپائے ہوئے

سلام

اطہرؔ حسنین

صرف سلام ہی حسینؑ تجھ پر روا نہیں ہوا
وہ بھی جبینِ شوق میں ہے جو ادا نہیں ہوا

سجدۂ ناتمام سے تکملۂ نمازِ عشق
ایک علیؑ بعد پھر تیرے سوا نہیں ہوا

بعدِ رسولؐ ضبط کی حد میں رہے مگر علیؑ
کونسا ظلم درپئے آلِؑ عبا نہیں ہوا

کیوں نہ ہر اک دیار میں ہو ترے غم کی روشنی
تیرا چراغ ہے کہ جو صرفِ ہوا نہیں ہوا

گردشِ وقت یاد کر کیا نہ ہر ایک حیلہ گر
خُلقِ عظیم کے طفلِ کلمہ سرا نہیں ہوا

کتنے ادا شناسِ وقت دورِ غدیرِ خم میں تھے
آج کہا کہ یوں ہوا کل کہا نہیں ہوا

قائدِ لشکرِ وفا اک ترے بعد پھر کبھی
کارِ وغا کا ہم قدم کارِ وفا نہیں ہوا

سب کو بقدرِ ظرف اور ہم کو بقدرِ کربلا
ذوق و سلیقہ عزا یوں ہی عطا نہیں ہوا

نوعِ بشر کے واسطے کوئی بھی سانحہ مگر
کرب و بلا ترے سوا چشم کشا نہیں ہوا

سالکِ یومِ دیں مگر کرب و بلا سے شام تک
حشر کئی بپا ہوئے حشر بپا نہیں ہوا

اطہرؔ بے ہنر ہے اور کارگہِ زمینِ نجمؔ
مشقِ سخن ہوئی مگر حق تو ادا نہیں ہوا

سلام

بحضور حضرت مسلمؑ ابنِ عوسجہ، ناصرِ حسینؑ ابنِ علیؑ ابنِ ابی طالبؑ

اختر آصفؔ زیدی

اگرچہ عمر میں ہوتا ہے ماہ و سال کا فرق
مگر ہے تیغ زنی میں تو بس کمال کا فرق

رہا تو بدرِ دُرخشاں سے کچھ ہلال کا فرق
نہ آیا جنگ کے میدان میں قتال کا فرق

ضعیف عمر مگر جھرّیوں سے چہرے کی
عدو کو صاف دکھائی دِیا جلال کا فرق

کمر کو کَس لیا مسلمؑ نے شہؑ کی نصرت میں
گئے دنوں سے مِٹایا ہے اپنے حال کا فرق

جواں کہا گیا مسلمؑ کو اِس ضعیفی میں
کہیں مثال میں آیا کبھی مثال کا فرق

ہر ایک رُک نہیں سکتا ہے رزم گاہوں میں
ہے اِس میں خون کا کچھ، اور کچھ خصال کا فرق

مِٹانے آئے ہیں میدان میں اُسے مسلمؑ
رکھا گیا جو محمدؐ سے اُن کی آلؑ کا فرق

گزرتے وقت وصیت حبیبؑ کو کی ہے
حُسینؑ سے نہ کسی طَور ہو وِصال کا فرق

تجھے مِلیں گے کہاں تیرے ہم خیال آصفؔ
کہ تجھ میں اُن میں ہمیشہ رہا خیال کا فرق

سلام

کلیمؔ ظفر

اور تو کیا تھا کہ جس پر ہو گماں ہونے کا
واقعہ ایک تھا بس ایک ، یہاں ہونے کا

کربلا بس تری بستی جسے بستی کہیے
دوسرا ہو نہیں سکتا تھا نشاں ہونے کا

حق بیانی تھی کہ میثمؑ کی سخن دانی تھی
وہ جو حاصل تھا محاصل تھا زباں ہونے کا

تم اسے ماتمِ شبیرؑ کہو یا نہ کہو
حق ادا خوں نے کیا کچھ تو رواں ہونے کا

اچھے اچھے وہاں ناکام ہی رہ جاتے ہیں
کام اصغرؑ نے کیا رن میں جہاں ہونے کا

نازِ تکبیر تھا وہ اکبرِؑ شبیرؑ تھا وہ
جس نے منشور دیا دل کو جواں ہونے کا

وہ ہی آئے تھے وہ ہی آئیں گے پھر حق کی قسم
حق جنھیں خانۂ حق سے ہے عیاں ہونے کا

دیکھتا ہوں سوئے کعبہ تو نشاں ڈھونڈتا ہوں
منتظر ہوں تری آمد کی اذاں ہونے کا

درد سے پالنے والے نے بھرا ہے کوزہ
عہد باندھا ہے جو اک اشک فشاں ہونے کا

یہ محبت یہ توجہ یہ کرم کیا کہنا
اک سلیقہ سا جو تھا نوحہ کناں ہونے کا

زائر کرب و بلا ہوں میں سمجھتا ہوں کلیمؔ
جلوہ ایسا تو سرِ طور کہاں ہونے کا

سلام

جوہرؔ عباس

نذرِ شہزادہ قاسم ابن حسن علیہ السلام

اب بھی حیرت میں ہے دنیا قاسمؑ
واہ! پروردۂ فَروہؑ قاسمؑ

موت کیا ، اُس کی حقیقت کیا ہے
حل کیا تم نے معمّا قاسمؑ

حق پہ مرنے کی بڑی شادی ہے
موت پر کرچکے تکیہ قاسمؑ

سر سے باندھے ہوئے مقتل کو چلے
ماں کے ارمانوں کا سہرا ، قاسمؑ

راہ تکتی ہے شہادت کی دُلھن
عازمِ دشت ہیں دولھا قاسمؑ

مرحبا کہتی ہیں دادی زہراؑ
آفریں کہتے ہیں دادا، قاسمؑ

جس کی تفسیر کریں گے اصغرؑ
تم ہو وہ آیتِ کُبریٰ قاسمؑ

کربلا میں ہے گُھلا عطرِ عروس
دیکھو موجود ہیں ہر جا قاسمؑ

باپ وہ جس کی سخاوت مشہور
اور قاسمؑ تو سراپا قاسم

بوہرا فرقے کے مرثیہ نگار

شہابؔ کاظمی/ رشید موسوی

Ph.D کا مقالہ: ترقی اردو بیورو نئی دہلی 1989ء

دکن میں مرثیہ اور عزاداری

یو ایس اے کی اسٹیٹ ''مشی گن'' یوں تو شعر و ادب اردو کے لحاظ سے ایک غیر ذی ذرع بستی ہے۔ اتنی بھی غیر ذی زرع نہیں جیسی کہ خانۂ کعبہ کے اردگرد کی تھی جہاں حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ کو چھوڑ کر چلے آئے تھے۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ مشی گن میں ایک بہت بڑی تعداد عرب مسلمانوں کی آباد ہے جس میں خاصی بڑی تعداد اہلِ تشیع کی بھی ہے۔ اگرچہ دیگر اردو بولنے والوں کی اتنی بڑی تعداد نہیں مگر ان کی کئی مساجد ہیں۔ کئی مذہبی مراکز بھی ہیں۔ اہلِ تشیع اردو بولنے والوں کے بہت مذہبی مراکز نہیں ہیں۔ اس لیے صرف ایک مرکز بنام ''زینبیہ Zainabiya'' ان کی ضرورت کے لیے تیس سالوں سے زیادہ سے مکتفی ہو رہا ہے۔ اس مرکز کے منتظمین میں سے ایک ڈاکٹر سید عباس جعفری صاحب اس ناچیز پر بہت مہربان ہیں۔ ان کو خود بھی پڑھنے لکھنے کا شوق ہے۔ اکثر ہمیں بھی کتابیں اپنی لائبریری سے دیتے رہتے ہیں۔ بعض تحفۃً اور مطالعے کی غرض سے ایک دن انہوں نے ہمیں کسی عزیزہ کا Phd کا مقالہ کتاب بعنوان ''دکن میں مرثیہ اور عزاداری'' غالباً ہماری مرثیہ نگاری کے شوق کو مدنظر رکھ کر مطالعہ کے لیے عنایت فرمائی۔ اور ان کا اسم گرامی ڈاکٹر رشید موسوی صاحبہ۔ مہاجرینِ وطن کو اس کا اندازہ ہوگا کہ امریکہ میں اگر کوئی اپنا ہم وطن۔ اردو بولنے والا اتفاق سے ملتا ہے تو خوشی ہوتی ہے۔ یہ کتاب دیکھ کر ہمیں بھی یوں ہی خوشی ہوئی۔ ان کا نام رشید جس نے ہمیں علامہ رشید ترابی کی یاد دلائی۔ دوسرے ''موسوی'' ہم کاظمی ہیں مگر ہمارے دادا جان قبلہ مرحوم اپنے وقت کے اچھے شعراء میں تھے اور اگرچہ نام ان کا سید سخاوت عابد تھا مگر کلیمؔ موسوی تخلص کرتے تھے۔ اگرچہ کاظمی اور موسوی میں کوئی فرق نہیں لیکن دادا جان کے بعد ہمارے خاندان میں کسی نے ''موسوی'' استعمال نہیں کیا اور کاظمی لکھا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اس کے در پردہ کوئی راز ہے یا بس یونہی انفرادیت کے شوق میں ''کلیمؔ موسوی'' تخلص پال لیا گیا تھا۔ بے چینی سے ہم نے کتاب ختم کی۔ دکن کی عزاداری اور مرثیہ نگاری کے بارے میں پڑھ کر تو کوئی خاص تعجب نہیں ہوا لیکن اس میں ایک عنوان نے چونکا دیا۔ ''بوہرہ فرقے کے داعی اور ان کے مرثیے'' بوہرہ فرقے کے کئی لوگوں سے ہماری ملاقات کراچی میں تھی۔ یہاں تک کہ ہمارے ایک بھائی نے ایک بوہری لڑکی سے شادی بھی کی اور بچے بھی ہوئے۔ امریکہ نیو جرسی میں بھی ہمارے حلقۂ احباب میں ایک بوھری (حیدری صاحب) کے گھر مجلس میں آنا جانا بھی تھا مگر ان کی زبان کو سامنے رکھتے ہوئے کبھی یہ سوچا بھی نہیں کہ ان حضرات میں مرثیہ نگار بھی ہوں گے۔

کتاب تاریخِ شیعیانِ علیؑ کے مصنف جناب سید علی حسینی رضوی سے ہماری ملاقات شگاگو میں محافل کی وجہ سے ہوئی تو انہوں نے اپنی کتابِ مذکورہ ہمیں عنایت فرمائی۔ اس کتاب میں بوھری حضرات کی ابتدا فتوحات وغیرہ کا ذکر تو ہے۔ مگر ان حضرات کی شاعری کے بارے میں کوئی بھید نہیں کھولا گیا۔ علی حسین رضوی جوانی میں اپنا تخلص ''وحشیؔ محمود آبادی'' فرماتے تھے اور ہم ان کے افسانے اور ناول وغیرہ پڑھتے

تھے بہت دن ہوئے انتقال فرما چکے ہیں (خدا مغفرت فرمائے) یہ غیر ضروری سی روداد لکھ کر ہم اپنی تحریر کا رخ ''دکن میں مرثیہ اور عزاداری'' کی طرف موڑتے ہیں۔

عموماً ''مرثیہ'' ہندوستان پاکستان کے لیے تو مراد اس سے ذکرِ شہدائے کربلا لی جاتی ہے۔'' ہر چند کہ مرثیہ عربی لغت ہے اور لفظ ''رثا'' سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی میّت پر رونے کے ہیں۔ مگر اصطلاحی طور سے یہ لفظ عربی میں شاعری کی اس صنف کے لیے استعمال ہوتا ہے جس میں کسی کی موت پر رنج وغم کے جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے جس کے لیے شرط نہیں کہ اس کا تعلق کربلا اور کربلا کے شہیدوں سے ضرور ہو۔ مثلاً مولانا حالیؔ نے غالبؔ کی وفات پر مرثیہ لکھا جو بذاتِ خود ایک معروف ادبی پارۂ نظم ہے یا متمم ابن نویرہ اور ال خنثیٰ (خنساء) کے اپنے بھائیوں کے مرنے پر مرثیے لکھے اور جن کی وجہ سے ان کی شہرت آج بھی ہے۔ انگریز معروف مصنف ولیم شیکسپیئر کی وفات پر فرانسس بیکن نے رثائی نظمیں لکھیں۔ ان نظموں کو انگریزی میں Eulogy یا Elegics کے نام سے جانا جاتا ہے۔

ہماری ملازمت حکومتِ سندھ، وزارتِ مذہبی امور واوقاف، کراچی کے دوران ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو معروف شاعر تھے نام ان کا تھا صابرؔ براری جنہوں نے ایک کتاب ''تاریخِ رفتگان'' کے نام سے لکھی ہے جسے مکتبہ قادریہ کورنگی کراچی نے شائع کیا ہے۔ اس میں ۱۳۴ مشاہیر دولتِ پاکستان کی یاد میں ''قطعاتِ تاریخِ وفات'' مع ان کے تاریخی کوائف کے جمع کیے ہیں۔ نظم ونثر کے اعتبار سے یہ ایک یادگار کتاب ہے اور ایک سنگِ میل کی حیثیت سے جانی جائے گی مگر اس کتاب کی حیثیت رثائی ادب سے صفر ہے کہ ہر چند کہ یہ مرحومین کے بارے میں ہے۔ مگر مدعا ان نظموں کا رثا سے مطلق نہیں ہے۔

اسی سال یعنی ۲۰۲۳ء میں اس ناچیز کی ایک کتاب (ہماری سولہویں کتاب) بعنوان ''مقدور ہو تو۔۔۔'' شائع ہوئی ہے جسے ادارہ نشرِ دانش جس کے بانی مرحوم مولانا سید تلمیذ حسنین رضوی، مقیم نیوجرسی امریکہ/ پاکستان تھے۔ آج کل اس ادارے کے بانی مرحوم کے صاحبزادے جناب سیّد ندیم رضوی مقیم ہیوسٹن، ٹیکساس ہیں۔ یہ کتاب مطلقاً رثائی نظموں پر مشتمل ہے۔ اس کا کچھ تعلق کربلا سے نہیں مگر بہت حد تک کربلا والوں سے ہے۔ اور یہ نظمیں بیشتر مرحومین کے سانحۂ ارتحال پر لکھی گئی ہیں۔ اسمیں مشاہیر بھی ہیں۔ اعزاء واقربا بھی ہیں۔ شعراء بھی ہیں مصنّفین بھی ہیں ان میں بعض خواتین بھی ہیں جو ہمارے عزیزوں کی طرح تھیں۔ اپنی اس کتاب کا ذکر اور تاریخِ رفتگان کا ذکر اس مضمون میں اسی طرح آ گیا ہے جسے متمم ابن بوبرہ آل خنثیٰ (خنساء) اور فرانسس بیکن کا آ گیا ہے۔

خیر ہمارا موضوعِ سخن جناب رشید موسوی صاحبہ ہیں۔ جنہیں ان کی کاوشوں پر ۱۹۶۴ء میں Phd کی ڈگری دی گئی اور اس طرح رثائی ادب کے میدان میں ان کی بات بھی اہم سے اہم تر ہوگئی۔ اس مقالے کے مطالعے سے ہم نے جب ان کا ذکر دوسری کتابوں میں تلاش کرنے کی کوشش کی تو ان کے عہد کو سامنے رکھ کر دیکھا تو ہمیں ایک کتاب ''اردو مرثیہ'' (اردو اکادمی دہلی) مرتبہ ڈاکٹر شارب ردولوی ہاتھ لگی۔ شارب ردولوی مرحوم نے گذشتہ ماہ کے اندر دارِ فانی سے کوچ کیا اور ہمیں انھیں مرحوم لکھتے ہوئے افسوس ہو رہا ہے۔ ''اردو مرثیہ'' میں ہمیں ڈاکٹر رشید موسوی صاحبہ کا ایک مضمون بعنوان، دکن میں مرثیہ کی روایت ۱۷۰۰ء کے بعد۔۔۔ ملا یہ مضمون خاصہ مبسوط ہے اور صفحہ ۷۱ سے ۸۷ تک پھیلا ہوا ہے۔ دکن میں مرثیہ نگاری سے متعلق اس مقالے سے بہت کچھ معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ مگر ان کے Phd کے مقالے اور نہ اس مضمون سے خود رشید موسوی کے بارے میں کچھ معلومات نہیں فراہم ہوتیں۔ ہم نے ڈرتے ڈرتے ڈاکٹر سید عباس جعفری MD سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ ماشاءاللہ ابھی حیات ہیں۔ ہم نے ان سے کچھ حالات معلوم کرنے کی استدعا کی تو ہے، دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ اسی طرح ہماری دسترس میں ایک

اور کتاب ''اردو مرثیہ نگاری'' از اُمّ ہانی اشرف۔ مطبوعہ ''ایجوکیشنل بک ہاؤس۔ علیگڑھ انڈیا'' آئی۔

مطالعۂ رشید موسوی کے دوران ہم نے دیکھا کہ موصوفہ نے صفحہ ۲۹ پر ایک سرخی ''افرادِ مرثیہ'' کے عنوان سے باندھی۔ یہ معلومات نو مرثیہ گو یوں کے لیے خاص مفید ہے۔ لیکن ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ہم نے اُمّ ہانی اشرف کی کتاب ''اردو مرثیہ نگاری'' میں صفحہ ۲۴۵ سے ۲۵۵ تک افرادِ مرثیہ کی سرخی قائم کر کے عبارت کے ردو بدل سے وہی سب کچھ ڈاکٹر رشید موسوی کا حوالہ دیئے بغیر نقل کر دیا ہے۔ مضمون نگار جانتے ہیں کہ چراغ سے چراغ جلتا ہے مگر اس دیدۂ دلیری سے اُمّ ہانی اشرف کو کام نہ لینا چاہیے تھا۔ ڈاکٹر رشید کے مقابلے میں مبینہ معلومات صفحہ ۲۹ سے ۳۹ تک دیکھی جاسکتی ہے۔

ڈاکٹر رشید موسوی کے بارے میں ورق گردانی کرتے ہوئے ہماری نظر سے ایک اور کتاب مصنفہ جناب مسعود حسین رضوی ادیب بعنوان ''انیسیات'' مطبوعہ اتر پردیش اکادمی لکھنؤ بھی گزری۔ یہ کتاب جناب علی احمد دانش مرحوم (آلِ انیسؔ) کی ملکیت تھی جو انہوں نے اپنے دستخط سے ہمیں لکھنؤ کے سفر کے دوران عنایت فرمائی تھی۔ مرحوم مسعود حسین رضوی اپنے وقت کے مایہ ناز محقق اور معتبر راوی گزرے ہیں۔ ہمارے لکھنؤ جانے سے پہلے ان کا انتقال ہو چکا تھا مگر ہماری خوش قسمتی سے ان کے صاحب زادے جناب نیر مسعود صاحب سے ہوئی۔ اللہ کریں حیات ہوں۔ اس کتاب ''انیسیات'' میں بھی ایک مضمون ڈاکٹر رشید موسوی صاحبہ سے متعلق ہے۔ اس میں کئی اختلافی باتیں درج ہیں۔ لکھتے ہیں ''ڈاکٹر رشید موسوی صاحبہ کے مضمون میں کئی باتیں ایسی آ گئی ہیں جو صحت سے قریب ہیں مگر بالکل صحیح نہیں ہیں ذیل میں ان کی تصحیح کی جاتی ہے۔'' ادیبؔ رضوی صاحب ایک مشّاق صاحبِ قلم ہیں مگر اس جملے سے لگتا ہے کہ وہ کسی خوف یا لحاظ و مروت سے وہ کچھ لکھ رہے ہیں جو لکھنا بھی نہیں چاہتے۔ یہ سطور جناب میر انیسؔ کے سفرِ حیدر آباد سے متعلق ہیں۔ یہ ہم لکھنؤ والوں کی نازک مزاجی ہے۔ لگتا ہے کہ موصوف کو کچھ اسمائے گرامی کے لکھنے کا انداز پسند نہیں آیا مثلاً ''لکھتے ہیں'' پہلا نام مع خطاب غلط ہے۔ پوری تحریر یوں ہے:

نواب تہور جنگ بہادر نے میر انیسؔ کو حیدر آباد بلانے کے لیے جن لوگوں کے ذریعے کوشش کی تھی ان کے نام یوں لکھے گئے ہیں: ''شمس العلما شریف الحسن صاحب جن کا وطن لکھنؤ تھا''۔ ''میر انیسؔ کے ایک اور شناسا حامد حسین۔۔۔ لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔''

پہلا نام مع خطاب غلط ہے۔ صحیح یوں ہے، شریف العلما مولوی سید شریف حسین، ان کا وطن لکھنؤ بتایا گیا ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ وہ جگراؤں (پنجاب) کے رہنے تھے۔ دوسرا نام تو صحیح ہے، مگر وہ جن لفظوں کے درمیان میں آیا ہے ان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی معمولی درجے کے غیر معروف آدمی کا نام ہے۔ حالانکہ اس سے مراد ہیں شمس العلما مولانا سید حامد حسین صاحب قبلہ مجتہد جو شمس العلما مولانا سید ناصر حسین صاحب قبلہ مجتہد مرحوم کے والدِ بزرگوار تھے۔''

مندرجہ باتیں ۱۵ اپریل ۱۸۷۱ء کے سفرِ حیدر آباد سے متعلق ہیں۔ یعنی اتنی قدیم ہیں کہ یہ کتاب ۱۹۷۶ء میں چھپی ہے۔ تقریباً سو سال پہلے۔ بیشتر لوگ مع انیسؒ اور میزبانانِ مدتوں ہوئے گزر چکے ہیں۔ گڑے مردے اکھاڑنے کا فائدہ نہ مسعود ادیب صاحب اور نہ انیسؔ اور ان کے اعزا، اگر ہیں بھی تو۔ اس لیے ہم اتنا لکھتے ہوئے گزر جاتے ہیں کہ ہمیں تو رشید موسوی صاحبہ کے حوالے سے ''بوہرا فرقہ کے داعی اور ان کے مرثیہ نگاروں کے بارے میں لکھنا مقصود ہے۔'' موصوفہ لکھتی ہیں (صفحہ ۲۰۵) کہ انہیں بمبئی میں چند ایسے مرثیے دستیاب ہوئے جو بوہرا فرقے کے داعیوں کی وفات سے متعلق ہیں۔ اس تحقیق کی بنیاد پر انہوں نے کچھ بوہرا فرقے کی تاریخ کا جائزہ بھی لیا ہے۔ اس جائزے سے نہ صرف ہمیں فائدہ ہوا بلکہ ہمارے خیال میں اس کے مختصر بیان سے اور پڑھنے والے بھی استفادہ کر سکیں گے۔ Phd کے مقالے آسانی سے ہاتھ نہیں لگتے جیسے ہم اس

تاریخ سے نابلد تھے ویسے ہی اور بہت سے حضرات ہو سکتے ہیں۔عموماً ہم لوگ مجلسوں میں اس قسم کی باتیں نہ سنتے ہیں اور نہ ذاکرین انہیں بیان کرتے ہیں۔اگر چہ انہیں علم تو ہوتا ہوگا مگر موقعہ ومحل دیکھ کر مقررہ وقت کو گریہ واشک فشانی سے بات آگے نہیں بڑھتی۔ہم نے اپنی صغرسنی سے اس موضوع پر ایک حرف بھی کبھی نہیں سنا اگر چہ ہمارے رابطہ میں کئی بوھرا حضرات رہے اور ہیں بھی ڈاکٹر رشید صاحبہ کا خیال ہے کہ سانحۂ کربلا ایک مختصر مدت میں رونما ہوکر ختم ہوگیا۔رسل ورسائل کی نایابی اور حاکموں کے جبر سے اس کے نتائج فوری طور پر سامنے نہیں آسکے۔اس سانحۂ کربلا کے اثرات لوگوں نے رفتہ رفتہ قبول کیے اور اس سے تقریباً ساری اسلامی مملکتیں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔شہادتِ امام حسینؑ اور ان کے مخدرات کی تاراجی اور اذیتیں اولادِ رسولؐ کی بربادی سے بنوامیہ کے خلاف غم وغصہ کی لہر دور دور تک پھیل گئی تھی خونِ اہلبیتؑ کا بدلہ لینے کے لیے ہر طرف لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور اس طرح مسلمانوں میں کئی فرقے وجود میں آگئے۔اس طرح جو پہلا فرقہ وجود پذیر ہوا وہ ''کیسانیہ'' تھا اس نے شہادت امامؑ عالی مقام امام حسینؑ کے بعد جناب محمد بن حنفیہ کو چوتھا امام تسلیم کرلیا۔جناب محمد بن حنفیہ حضرت علیؑ کی ایک دوسری بیوی کی اولاد تھے اور ان کی بہادری،شجاعت،اور تقویٰ کی بہت شہرت تھی مگر اس فرقۂ کیسانیہ کا بانی حضرت علیؑ کا آزاد کردہ ایک غلام تھا جن کا نام ''کیسان'' تھا۔

ڈاکٹر رشید موسوی کے مطابق اس فرقے کی تشکیل میں جناب محمد بن حنفیہ کا کوئی دخل نہ تھا۔جناب محمدِ حنفیہ کے انتقال کے بعد اس فرقہ نے ان کے بیٹے ''ابوہاشم کو پانچواں امام تسلیم کرلیا ان کو اموی خلیفہ ہشام ابنِ عبدالملک نے ۹۶ھ میں زہر سے ہلاک کروادیا،چونکہ ان کا اپنا کوئی فرزند نہ تھا اس لیے آپ نے اپنا حقِ امامت بنوعباس کے ایک فرد محمد بن علی ابن عبداللہ بن عباس کو تفویض کردیا۔اس طرح ابوھاشم کے ماننے والے ''ھاشمیہ'' کہے جانے لگے۔ایک اور فرقہ وجود میں آیا جو حضرت زینؑ العابدین کے فرزند زید کی امامت کا قائل ہوا۔حضرت زید نے ھشام بن عبدالملک کو امامت تفویض کی اور اس طرح تیسرا فرقہ ''اسماعیلہ'' وجود پذیر ہوا۔یہ کیسے ہوا؟ تفصیل آگے آئے گی۔سانحۂ کربلا پر جو نفرت اور مخالفت بنوامیہ جو شام وغیرہ میں حکومت میں تھے انکے خلاف بنوعباس پوری شدومد سے صف آرا ہوگئے۔اور بنوامیہ کے لیے ایک خطرہ بن گئے۔اسی دوران بنوفاطمہ (۶۸۰ء) نے خفیہ تحریک شروع کی اور ہندوستان اور ایران کا رخ کیا۔خراسان کا گورنر ابومسلم خراسانی بنوفاطمہ کی دعوت میں شریک ہوگیا۔ادھر عباس ابن عبدالمطلب کے پوتے محمد بن علی بن عبداللہ کے بعد جب ابراہیم مسند نشین ہوئے تو بنوامیہ کے خلیفہ مروان کے ہاتھوں مروادیئے گئے۔اس کے بعد امامت اس کے بھائی عبداللہ کو ملی جو سفاحؔ کے نام سے مشہور ہوا۔اس نے ابومسلم خراسانی کی مدد سے ۱۳۲ھ میں جنگ کرکے بنوامیہ کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کردیا۔خس کم جہاں پاک۔

بنوفاطمہ بنوامیہ اور بنوعباس دونوں کو غاصب جانتے تھے اس لیے دونوں کے مخالف تھے۔جب عبداللہ کا بھائی جعفر منصور دوانقی کے نام سے جانشین ہوا تو اس نے بنی فاطمہ کو بہت پریشان کیا۔منصور دوانقی کا عہد بنوفاطمہ نے امام جعفر صادقؑ سے منطبق ہے۔امام جعفرؑ صادق نے خود کبھی سیاست میں حصہ نہیں لیا۔یہاں سے ہم اسماعلیہ فرقے کی طرف لوٹتے ہیں۔امام جعفر صادقؑ کے بعد سے بنوفاطمہ یعنی شیعہ اثناعشری گروہ میں دو فرقے ہوگئے۔ایک اسماعیلیہ کہلانے لگا اور دوسرا فرقہ موسویہ (اثناءعشری) کہلانے لگا،یہ کیسے ہوا؟ حضرت امام جعفر صادقؑ کے سات فرزند ہوئے سب سے بڑے حضرت اسماعیل تھے جن کا انتقال امامِ جعفر صادقؑ کی زندگی میں ۲۶ سال کی عمر میں ہوگیا۔اسماعیلیوں کا دعویٰ ہے کہ امام نے جناب اسماعیل کے حق میں نص کی تھی (اور اس کا امکان ہوبھی سکتا ہے کہ وہ اگر رحلتِ امام جعفرِ صادقؑ کے وقت زندہ ہوتے مگر جنابِ اسماعیل کی رحلت کے وقت یہ نص بھی منتقل ہوگئی۔اس کے ساتھ یہ دعویٰ بھی ہے کہ حضرت اسماعیل نے مرنے سے پہلے اپنے بیٹے کے حق میں نصیحت کردی بھی جبکہ ابھی وہ خود امام نہیں ہوئے تھے اور جنابِ امامِ جعفرؑ صادق حیات تھے۔چنانچہ بوقتِ وفات حضرت جعفرِ صادقؑ نے اپنے بڑے

فرزند جناب موسیٰؑ کاظم کے حق حسبِ ارشاداتِ جنابِ رسولؐ وطریقہ کارِ شیعیت امامت منتقل کردی۔ اوراس طرح اسماعیلیہ فرقہ شیعہ اثناءعشری سے الگ ہوگیا۔ اسماعیلیہ فرقے کے اعتقادات بھی بدل دیئے گئے۔ ان کے پہلے امام حسنؑ قرار پائے۔ مولائے کائنات حضرت علیؑ کو ایک حدیثِ رسولؐ کی نص ''کہ حسنؑ اور حسینؑ دونوں امامؑ ہیں اوران کے والد حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ ان سے افضل ہیں جو وصیِ رسولؐ ہیں۔ یعنی غدیر کے وہ منکر نہیں۔ اور ''وصائتِ رسولؐ'' امامت سے افضل اورامامت اور نبوت کے درمیان ایک سیڑھی ہے۔ جسے اساس الامامت قرار دیا گیا۔''

حضرت اسماعیل کے بیٹے اسماعیلیوں کے مطابق پردۂ غیب جس کو ان کے ہاں ''دورستر'' کہا جاتا ہے میں چلے گئے اوراس طرح محمد بن اسماعیل نے ۱۸۲ھ میں انتقال سے قبل اپنے فرزند عبداللہ پر نص کی۔ عبداللہ اپنے انتقال کے وقت فرغانہ سے دیلم چلے آئے اوراپنے بھائی حسینؑ کو کارِ تبلیغ کے لیے چھوڑ آئے جو دیلم سے عبداللہ تاجر کے بھیس میں سلمیہ آئے۔ شادی کی اور شاندار محل بنا کر رہنے لگے آپ نے ۲۱۰ ھجری میں اپنے بیٹے احمد کو امامت تفویض کر کے انتقال کیا۔ ان کا دور اور مامون الرشید کا دور تاریخ کے اعتبار سے ایک ہے اس دور میں، فلسفہ، منطق، حکمت، طب اور کیمیا کی طرف توجہ دی گئی۔ جس سے مذہبی انتشار پیدا ہونے لگے جس کے رد کے لیے ایک انجمن بنام ''اخوان الصفا'' قائم کی گئی اور بہت سے رسائل لکھے گئے۔ جن کے گمنام مصنف اسماعیلیوں کے خلیفہ احمد بن عبداللہ ہیں جنھوں نے گمنامی میں رہ کر یہ رسائل لکھے مگر بہت دنوں تک ان کی پردہ پوشی قائم نہیں رہ سکی آخر کار اپنے فرزند حسین پر نص کر کے ۲۴۰ھ میں سلمیہ میں انتقال کیا اس طرح حسینؔ اس سلسلۂ غیاب کے آخری امام اسماعیلیوں کے ہوئے۔ حسین انے اپنے فرزند عبداللہ ملقب بہ مہدی کے ظہور کی تیاریاں شروع کیں۔ ابوالقاسم حسن بن فرح اور علی بن فضل کو مذہبی تعلیمات سے آراستہ پیراستہ کر کے یمن بھیج دیا۔ دوسال خفیہ تبلیغات سے اسماعیلیوں میں بہت اضافہ ہوا تو یمن کے اکثر شہر یکے بعد دیگرے فتح کر لیے اور ابوالقاسم نے دارالخلافہ صنعا پر بھی قبضہ کر لیا اور منصور الامین کے لقب سے مشہور ہوا۔

مہدیؔ کے بعد آپ کے جانشین ہوئے۔۔۔ حکومت واقعی ایک عجیب گورکھ دھندا ہے۔ مہدیؔ کے بعد منصورؔ، معزؔ اور عزیزؔ برسرِ اقتدار آئے اور دین اور حکومت دونوں ان کے قبضے میں آ گئے۔ معزؔ اور عزیزؔ کے بعد مستنصرؔ نے ایران میں فرقۂ اسماعیلیہ کو بہت ترقی دی اور یکے بعد دیگرے ان کے ۱۲ داعی گذرے جن کی وجہ سے بنو فاطمہ کی تعداد میں بھی بہت اضافہ ہوا۔

مستنصرؔ کے ۲ فرزند ہوئے۔ بڑا نزار اور چھوٹا مستعلی۔ لیکن اس نے بڑے فرزند نزارؔ کے بجائے مستعلیؔ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ یہاں سے دو فرقے پیدا ہو گئے۔ ایک نزاری اور مستعلی۔ نزاری ایران میں فدائی کہلائے۔ اور یہی لوگ ہندوستان آ کر خوجے کہلائے۔ بعد میں اسی فرقے سے ایک فرقہ آغا خانی کہلایا۔ مستعلی کے پیرو ہندوستان اور یمن میں آج بھی موجود ہیں مگر یمن میں یہ لوگ اسماعیلی کہے جاتے ہیں جبکہ ہندوستان میں ''بواھیر'' کے نام مشہور ہیں۔ (بواھیر لگتا ہے کہ بوھرا کی جمع ہے) ویسے حقیقتاً یہ سب اسماعیلی ہیں۔ مستعلی کے بعد آمرؔ تخت نشین ہوا اس کی حکومت کمزور پڑی تو نزاریوں نے آمرؔ کو قتل کر دیا۔ مستعلی کے حامیوں نے آمر کے چار سالہ فرزند طیبؔ کو ۵۲۶ھ مطابق ۱۱۲۵ء کسی غیر معلوم جگہ پر مستور کر دیا۔ (بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ وہی وقت ہے جب جناب مہدی بن امام عسکریؑ۔ شیعوں کے بارہویں امام پردہ غیب میں تشریف لے گئے)۔ بوہرا فرقے کا عقیدہ ہے کہ جب امام مہدیؑ ظہور کریں گے وہ اسی مستور داعی طیبؔ کی اولاد میں سے ہوں گے جب کہ شیعہ عقیدے کے مطابق جب امام ظہورؑ فرمائیں گے وہ وہی مہدیؑ ابن امام عسکریؑ ہوں گے جو شیعوں کے بارہویں امامؑ ہوں گے اسماعیلی حضرات میں اس کے بعد سے امامت پوشیدہ ہوگئی اور تبلیغی کاموں کے لیے داعی مقرر کیے جانے لگے۔ یعنی تبلیغی مشنری کے تین ستون ہوئے۔ ان داعیوں کا مرکز یمن قرار پایا اور یہ عہدہ نسلاً بعدِ نسلاً نہیں بلکہ اہلیت پر مبنی ہے۔ اس طرح یمن میں ۲۶ داعی ہوئے جو مستعلی تھے۔ ۹۴۶ھ میں یہ دعوت یمن سے

ہندوستان منتقل کی گئی تو شہر احمد آباد اس کا مرکز قرر پایا اور یہاں کے پہلے داعی کا نام یوسف بن سلیمان تھا۔ اس نے ۹۷۴ھ میں رحلت کی ہندوستان میں یہ لوگ صرف مذہبی ارو معاشی معاملات سے متعلق رہے اور سیاسی معاملات سے غیر متعلق رہے۔ یہ لوگ زیادہ تر گجرات میں رہتے ہیں مادری زبان گجراتی ہے بمبئی، کلکتہ، مدراس، احمد آباد، سورت، ناگپور وغیرہ میں تجارت کرتے ہیں۔ اسماعیلیوں میں سب سے زیادہ تعداد داؤدی فرقے کی ہے۔ ۲۷۰ھ میں داعی ابوالقاسم حسن بن فرخ نے آغاز تبلیغ میں اپنے داعی ہندوستان اور سندھ میں بھی بھیجے اور یہ سلسلہ تادیر جاری رہا حتیٰ کہ زمانۂ اکبر بادشاہ تک پہنچتا ہے۔ داود بن قطب بنی فاطمہ کا داعی تھا۔ اور یہ سینتیسواں داعی تھا۔ اس کا نام داور بن عجب بھی لکھا ملتا ہے۔ داور بن عُجب کی بیوی کے ذریعہ نص کرنے کا ایک رقعہ اس کے بھانجے بنام سلیمانؔ پہنچا جو اس زمانے میں یمن میں زیرِ تعلیم تھا۔ اس نص کے نتیجے میں دو فرقے بن گئے۔ جو داؤد بن قطب کو مانتے ہیں وہ داؤدیہ اور جو سلیمان کو ماننے لگے ان کو سلیمانیہ کہا جانے لگا۔ گویا ۱۵۹۰ء میں سلیمانی بوھرا فرقے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ ڈاکٹر رشید موسوی صاحبہ نے آسانی سے سمجھنے کے لیے ایک نقشہ مرتب کیا ہے جو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ یہ محدود نقشہ صرف مشاہیر کی نشاندہی کرتا ہے جس کی اصل بنو فاطمہ ہے۔

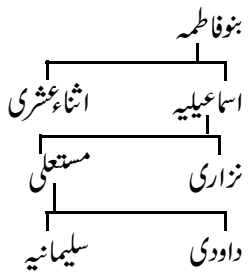

نوٹ:

یہ ساری معلومات ڈاکٹر رشید موسوی صاحبہ نے تاریخ فاطمین مصر اور بحوالہ ابن خلدون اور شہرستانی سے اخذ کی۔ ہم نے خود یہ کتابیں نہیں دیکھیں مگر چونکہ موصوفہ نے یہ حوالے اپنے Ph.d کے مقالے میں درج کیے ہیں اس لیے ان حوالوں کی صحت پر اشکال نہیں:

ڈاکٹر موصوفہ نے ایک اور مفید کام یہ کیا ہے کہ داؤد بن قطب (عجب) جو اس فرقہ کا ۳۷واں داعی اس سے تا حال داعیوں کی ایک تاریخ وار فہرست بھی شاملِ کتاب کی ہے جو جناب ملا برھان الدین پر ختم ہوتی ہے۔ ان کے انتقال کے بعد۔ آج کل ۲۰۲۳ء سیدنا ڈاکٹر مفضل سیف الدین قائم مقام داعی ہیں۔

(یہ معلومات ہمیں عابدہ اسماعیل صاحبہ کے فوج پر ملیں، بشکریہ مامون ایمن)

اس لیے ذیل میں اس سلسلہ کے سینتیسویں داعی سے موجودہ داعی تک کے نام اور سنہ درج کیے جاتے ہیں:

داؤد بن قطب	۱۵۹۱ تا ۱۶۱۲ عیسوی
شیخ آدم صفی الدّین	۱۶۱۲ تا ۱۶۲۱ عیسوی
عبدالطیّب ذکی الدین	۱۶۳۱ عیسوی
ابراہیم وجیہہ الدین	۱۷۵۴ عیسوی

مؤیدفی الدّین	۱۷۵۴ تا ۱۷۷۹ عیسوی
یوسف نجم الدّین	۱۷۹۸ عیسوی
عبدعلی سیف الدّین	۱۸۱۷ عیسوی
محمد عزالدّین	۱۸۲۱ عیسوی
طیّب زین الدّین	۱۸۳۷ عیسوی
محمد بدرالدّین	۱۸۴۰ عیسوی
عبدالقادر نجم الدّین	۱۸۸۵ عیسوی
عبدالحسین حسام الدّین	۱۸۹۱ عیسوی
محمد برہان الدین	----------
عبداللہ بدرالدین	۱۹۱۴ عیسوی
ملّا طاہر سیف الدّین	----------
ملّا برہان الدّین حالیہ	

ملّا برہان الدین کے بعد سیدنا ڈاکٹر مفضل سیف الدین اس وقت یعنی ۲۰۲۳ میں داعی ہیں۔ ہمیں یہ معلومات مامون ایمن کے توسط سے عابدہ اسماعیل صاحبہ نے بہم پہنچائی ہیں جس کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ اگر چہ یہ معلومات قیمتی سرمایہ ہے اور ڈاکٹر رشید موسوی کو اس کے لیے کتنے ہفت خواں طے کرنا پڑے ہوں گے یہ وہی جانتی ہوں گی۔ دین کیسی کسی منزلوں سے گزر کر یہاں تک پہنچا ہے مگر یہ داستان تحریر کرنا یہ ہمارا اصل مقصد نہیں۔ ہم تو بوھرا فرقے کے مرثیہ نگاروں کے بارے میں ڈاکٹر رشید صاحبہ کے Phd مقالے کے حوالے سے کچھ معلومات بہم پہنچانا چاہ رہے تھے چنانچہ اس فرقے اور اس عہد کے ایک مرثیہ نگار افسر کے بارے میں لکھتی ہیں کہ افسرؔ کا تعلق داؤدی بوھرا فرقے سے ہے۔ اس نے مندرجہ ذیل لوگوں کے بارے میں مرثیے لکھے ہیں:

ابوالقاسم حسن بن فرح۔ داعی ابوعبداللہ حسین شیعی۔ منصور یمن قاضی جان ماذوں اور داعی محمد برھان الدین۔ ان مرثیوں میں افسرؔ نے ہر داعی کے حالات اور ان کے انتقال کی تفصیلات بھی بیان کی ہیں۔ اور یہ مرثیے عموماً انتقال کے بعد چہلم یا برسی کے موقعے پر پڑھے گئے ہیں بعض ایسے مرثیوں کا سلسلہ بعض شاعروں نے کربلا، شہادتِ امام حسینؑ کے بھی ملا دیا ہے۔ افسرؔ نے جو مرثیے کہے ہیں انہیں ایک کتاب کی صورت میں شائع بھی کر دیا گیا ہے اور اس کا نام ''گلدستۂ ماتم'' ہی رکھّا ہے اور یہ مطبع محمدی بمبئی سے ۱۳۲۰ھ ۱۹۰۸ء منظرِ عام پر آیا اور ڈاکٹر رشید موسوی کا بیان ہے کہ جو نسخہ ہمارے ہاتھ لگا اس پر یہ عبارت درج ہے ''ھدیۂ افسر بخدمت ملّا ابراہیم سکندر''

''سکندر افسر کے ہم عصر شاعر تھے۔ جس کا ذکر انہوں نے اپنے ایک مسدس میں کیا ہے۔ افسرؔ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ''دعوت'' میں پہلے اردو زبان استعمال نہیں ہوتی تھی بلکہ بعد میں داعی عبدالقادر نجم الدین کے زمانے میں اردو کا چرچا ہوا۔ ہوسکتا ہے کہ ان کی زبان گجراتی

میں بھی کچھ مرثیے کہے گئے ہوں۔ ذیل میں افسرؔ کے مرثیہ کا ایک بند درج کیا جاتا ہے۔ جو اسی خیال پر مشتمل ہے:۔

پہلے دعوت میں نہ تھا اردو زباں کا چرچا تھا مگر کم تھا بہت جانتے ہیں اہلِ ولا
عہد میں نجم ہدیٰ شاہ کے اوج اس کا بڑھا اب مگر فضلِ خدا سے ہے ترقی پہ سدا
آج دعوت میں ہیں موجود ثنا خواں صد ہا مرثیہ گو ہیں سخنور ہیں سخن داں صد ہا

افسرؔ کے یہ مرثیے بمبئی میں بوہرہ فرقہ کی علمی وادبی اور دوسری قسم کی مصروفیات کی مکمل تاریخ ہیں۔ سب سے پہلا مرثیہ ابوالقاسم حسن بن فرح منصور یمن کے حالات، فتوحات اور وفات کے بارے میں ہے۔ جو ۵۷ بند پر مشتمل ہے۔ اس میں افسرؔ، داعی ابوالقاسم نے یمن جا کر جو تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا تھا اس کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

دو سو اڑسٹھ میں ابو القاسم یمن کو تھے گئے دو برس مخفی ہدایت سب کو کرتے رہے
دو سو ستّر میں مثالِ مہر پھر ظاہر ہوئے اور نشانِ دعوتِ حق جا بجا گڑنے لگے
دین حق کا صورتِ خورشید جلوہ ہوگیا ہر طرف داعی ابو القاسم کا شہرہ ہوگیا

ڈاکٹر رشید موسوی کے مطابق افسرؔ کے حالات زندگی کسی تذکرے میں نہیں ملتے کہیں کہیں شعروں، رباعیوں سے اشارے ملتے ہیں کہ افسرؔ گجرات کے کسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور شہر سورت میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۴۲ھ کی مطبوعہ ۱۴ ویں جلد سے پتا چلتا ہے کہ اس وقت اس کی عمر کیا تھی۔ مگر کب تک حیات رہے معلوم نہیں:

دنیا کے علائق سے بری ہے افسرؔ اب راہِ عدم کا سفری ہے افسرؔ
پیری کی بھی پیری ہے اکاسی کا ہے سال سن لو کہ چراغِ سحری ہے افسرؔ

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کلام ۱۲۶۱ھ اور ۱۸۴۳ء میں کہا ہوگا۔ افسرؔ کی ایک اور رباعی میں یومِ پیدائش کا اشارہ ملتا ہے۔

نہ کیوں جہاں میں عیدِ غدیر کی ہو خوشی ہوئے ہیں آج محمدؐ کے جانشین علیؑ
خدا کے فضل سے میلاد کا ہے دن افسرؔ تمھاری آج اکاسی برس کی عمر ہوئی

ظاہر ہے کہ عیدِ غدیر کا دن ۱۸ ذی الحجہ مقرر ہے۔

نقل مکانی کی بابت یہ اشارے ملاحظہ ہوں۔

حد تک جو بلوغیت کی پہنچا مولا سورت میں نہ ممکن ہوا رہنا مولا
صورت ہوئی پھر بمبئی آنے کی اب تک ہوں یہاں امن سے میں یامولا

پیشے کے اعتبار سے افسرؔ گھڑی سازی کرتے تھے چنانچہ یہ رباعی ملاحظہ ہو:

کیوں لب پہ نہ ہو شکر سدا باری کا سیکھا یہاں کام آکے گھڑی سازی کا

میرے لیے اب تک ہے وہی شغلِ معاش پیشہ سحر و شام ہے مزدوری کا

ایک رباعی سے ہم کو اس کا بھی علم ہوتا ہے کہ انہوں نے مرثیہ نگاری بمبئی آنے کے بعد شروع کی۔ یہ صحیح ہے کہ ان میں مرثیہ نگاری کی کچھ صلاحیتیں موجود تھیں۔ لیکن ان صلاحیتوں کی نشوونما بمبئی کے مرثیہ نگار روشنؔ، اخلاصؔ، رونقؔ وغیرہ کی صحبت میں ہوئی۔

افسرؔ انکسار کہیے کہ تعلّی فرماتے ہیں۔

صد شکر کہ حضرت کا ثنا خواں ہوں میں پر نہ اہل زباں ہوں نہ زباں داں ہوں میں

افسرؔ کا ایک یہ بند بھی ملاحظہ فرمائیے۔

گلشن شاعری کا تازہ گل تر میں ہوں بحر ذخار تلازم کا شناور میں ہوں
جوہری ڈھونڈھتے ہیں جس کو وہ جوہر میں ہوں لشکرِ نظم و نسق کا ہے جو افسر میں ہوں
سامنے فوج مضامین کے پرے رہتے ہیں نئے مضموں کے رسالے بھی دھرے رہتے ہیں

ڈاکٹر رشید موسوی کا خیال ہے کہ ''افسرؔ شاعری کے بارے میں کچھ متعین تصورات رکھتے تھے۔ یہ تصورات شعر کی ہیئت اور مواد دونوں پر حاوی ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بعض وقت چست مضمون مصرع کی سستی میں بھی جان ڈال دیتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ مطلب میں تسلسل رہے، بیان میں کہیں کھانچے نہ پڑیں اور شعر میں کوئی نقص نہ ہو۔ زبان اور اسلوب کے متعلق ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ زبان سلیس اور بامحاورہ ہونی چاہیے اور ایسے الفاظ کا انتخاب کرنا چاہیے جو زمانے کے چلن کے مطابق ہوں۔ افسرؔ شعر میں روزمرہ کے ساتھ ساتھ فصاحت کے بھی دلدادہ ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ رعایت لفظی شعر کے حسن کو نکھار دیتا ہے۔ یہ تمام لوازمات شعر کے حسن میں اضافہ کرتے ہیں اور سخن داں معترف ہوجاتے ہیں۔ ذیل میں ان خیالات پر مشتمل ایک مرثیے کے چند بند نقل کیے جاتے ہیں:

ربط مصرعے میں رہے سلسلے کا دھیان رہے انتظامات کا ہر بند میں سامان رہے
عیب سے طبع ہنر مند نہ انجان رہے کاملوں کی نہ نظر میں کوئی نقصان رہے
سکتا آئے نہ کہیں طبع رسا موزوں ہو سست مصرع ہو کوئی چست مگر مضموں ہو
روز مرہ بھی ہو مصرعوں میں فصاحت بھی ہو بندش الفاظ کی ہو چست سلاست بھی ہو
کہیں تجنیس و تلازم ہو رعایت بھی ہو کہیں شیرینی سخن میں حلاوت بھی ہو
رنگ جدت کا سخن دانوں کو نظر آنے لگے مبتدا کا ہو جو مضموں خبر آنے لگے

شہادت کے بیان کے علاوہ مرثیے میں رجز اور رزم کا ہونا بھی وہ ضروری سمجھتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں:

پر اختصار کا ہر جا رہے ضرور خیال سبب یہ ہے یہ نہ طول سخن سے ہووے ملال
رجز ہو رزم بھی ہو نظم اور شہادت بھی پر اختصار کی موجود ہو شہادت بھی

طول: مرثیے کے بارے میں مثلاً وہ یہ کہتے ہیں کہ مرثیہ مختصر اور جامع ہو۔ کیوں کہ طویل کلام بعض وقت سامعین کے لئے اکتاہٹ کا باعث بھی ہوسکتا ہے۔

افسؔر صرف مرثیہ گوئی کے لیے ہی مشہور نہیں ہوئے بلکہ ان کی شہرت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ خود اپنا مرثیہ تحت اللفظ منبر سے پڑھ کر سناتے تھے۔ لیکن انہیں نہ تو اپنی مرثیہ نگاری پر ناز تھا اور نہ ہی وہ پڑھنے کے انداز پر فخر کرتے تھے۔ ایک مقام پر کہتے ہیں:

پڑھنے پہ بھی کچھ فخر نہ دعویٰ مجھ کو
کہنے پہ بھی ذرا نہیں غرّا مجھ کو

افسؔر نے ایک اور مرثیہ ''مکالمۂ آب و آتش'' کے عنوان سے لکھا ہے۔ جس میں آگ آب کو امام حسینؑ کی شہادت کا سبب ٹھہرانا چاہتی ہے۔ اس کے جواب میں آب آگ کو قصوروار ٹھہراتا ہے کہ اس نے خیمے جلائے تھے۔ افسر نے اس مسدس میں شاعرانہ حسن اور خوبی کے ساتھ شہادت اور تاراجیٔ خیام کے واقعات نظم کیے ہیں۔ یہ مسدس ۲۷ بند پر مشتمل ہے۔

ایک اور مرثیہ ''تقریر شمع و پروانہ وحالِ شہادتِ امام حسینؑ'' کے عنوان سے لکھا ہے یہ مسدس ۳۶ بند پر مشتمل ہے۔ اس میں پروانے شمع سے گلہ کرتے ہیں کہ وہ ان کے حال سے بے خبر خود ہی جلی جاتی ہے۔ اس سے صاف پتا چلتا ہے کہ موضوعہ مراثی کا تصور ان کے ذہن میں تھا۔

افسؔر نے ایک مرثیے میں حضرت قاسمؑ کی شہادت کے واقعات بیان کیے ہیں۔ اس کا عنوان انہوں نے ''مرثیہ در حال جناب قاسمؑ و رخصت بنا و ربنی و عایات الفاظ بناؤ بنی'' رکھا ہے۔ اس کا مطلع ہے:

کیا خوب خوشگوار تھا لفظ بنا بنا — لیکن وہ کربلا میں غضب جانگزا بنا
واحسرتا بنا ہی شہیدِ جفا بنا — ہے ہے بنا بنی کا عجب واقعہ بنا
افسر بنا بنی کا تم اب مرثیہ لکھو — لیکن رعایتیں ہوں یہی باصفا لکھو

افسؔر نے اپنے اکثر مرثیوں میں مختلف قسم کی روایتیں بیان کی ہیں۔ تقریباً ہر مرثیے کی ابتداء کسی ایک خاص روایت سے ہوتی ہے۔ مثلاً زعفرِ جن کا مدد کے لیے میدانِ کربلا میں آنا۔ محمودؔ فرشتے کا آنا۔ ان روایتوں کے علاوہ معجزے بھی انہوں نے بیان کیے ہیں۔

افسؔر کے ایک مرثیے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے طویل عمر پائی چنانچہ ۱۳۴۲ھ میں ان کے مرثیوں کی جو چودھویں جلد چھپی ہے اس میں ایک رباعی شامل ہے جس میں انہوں نے بتایا ہے کہ ان کی عمر اکیاسی (۸۱) برس کی ہوچکی ہے۔ اس کے بعد ان کے حالات کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ اس طویل مدّت میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مرثیہ کی تاریخی نشوونما کا گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا۔ چنانچہ ایک جگہ وہ اپنے پیشرو مرثیہ نگاروں میں سے حسب ذیل کا تذکرہ کرتے ہیں انسؔ، مونسؔ، انیسؔ، عشقؔ، جلیسؔ، وحیدؔ، وفاؔ، خلیقؔ، خلقؔ، حسنؔ، فصیحؔ، ذکیؔ، نفیسؔ، ضمیرؔ حشیرؔ، سلیسؔ، دبیرؔ، اوجؔ، عروجؔ، بقاؔ، حزیںؔ، امانتؔ اور افسردہؔ، ان کے بارے میں لکھا ہے کہ اب ان سے دنیا خالی ہوگئی ہے۔

صاف معلوم دیتا ہے کہ انیسؔ و دبیرؔ کے مراثی کو سامنے رکھ کر یہ بند تراشے گئے ہیں۔ مرثیوں کی زبان بھی خاص ترقی یافتہ ہے۔

مصرعوں کی روانی بھی معقول ہے۔ یا تو ڈاکٹر رشید موسوی نے انیسؔ و دبیرؔ کے مرثیے دیکھے ہی نہیں یا جان کر نظر انداز کر گئیں۔

بوہرہ فرقہ کے داعیوں کے بارے میں افسر نے جو مرثیے کہے ہیں ان کو ایک جگہ مرتب کر کے شائع کروایا ہے۔ اس جلد کا نام انہوں نے دوسری جلدوں کی طرح ''گلدستۂ ماتم'' رکھا ہے۔ یہ مجموعۂ مراثی بھی مطبع محمدی بمبئی سے شائع ہوا ہے۔ اور اس کا سن طباعت ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۸ء ہے۔ یہ نسخہ جو ہمیں دستیاب ہوا ہے۔ وہ سکندر کو پیش کیا گیا تھا۔ چنانچہ اس کے سرورق پر یہ عبارت درج ہے۔ ''ہدیۂ افسر بخدمت ملّا ابراہیم سکندر۔''

افسرؔ کا کلام جو ہماری دسترس میں ہے وہ تاریخی اور ادبی اہمیت رکھتا ہے۔ ایک مرثیے میں انہوں نے اپنے ہم عصر مرثیہ نگاروں کو ذکر کیا ہے۔ یہ تمام مرثیہ نگار بوہرہ فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس مرثیے کے دو بند حسب ذیل ہیں:

نام ان صاحبوں کے کرتا ہوں اظہر جوہر — کوکبؔ و حیدرؔ و مقبولؔ و سکندرؔ اخترؔ
قیصرؔ و یوسفؔ و تحسینؔ و مطہرؔ قنبرؔ — حسنؔ و صابرؔ و سجادؔ و سمندرؔ اطہرؔ
اہلِ ایماں ہیں سخن فہم ہیں سب دانا ہیں — ذاکرِ شاہ ہیں اور میرے کرم فرما ہیں
اور بھی دوست ہیں مدّاحِ جنابِ حیدرؑ — حیدریؔ صفدریؔ برہانیؔ حسینیؔ گوہرؔ
شاکرؔ و عادلؔ و احسانؔ و سخنورؔ نیّرؔ — طاہرؔ و قادرؔ و کیوانؔ و عجیبؔ و ازہرؔ
سب محبّانِ علیؑ ہیں مرے احباب ہیں سب — قلزم شعر و سخن کے دُرِ نایاب ہیں سب

افسرؔ نے جن متذکرہ بالا شاعروں کے نام گنائے ہیں ان سے سجادؔ، حیدریؔ، صابرؔ، عجیبؔ اور احسانؔ کے مرثیے مل جاتے ہیں۔ اس مقالے میں ان کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ لیکن باقی اور شاعروں کے مرثیے نہیں ملتے۔ ان کے نام افسرؔ ہی کے توسط سے ہم تک پہنچتے ہیں۔

افسر کے تین شاگردوں کا پتہ بھی ان ہی جلدوں کے مطالعے سے چلتا ہے۔ آٹھویں جلد کے خاتمے پر ان کے شاگرد لقمان متخلص بہ سمندرؔ کا ایک قطعہ شریک ہے۔ جس سے جلد کی طباعت کی تاریخ نکلتی ہے۔ اس جلد میں ایک اور شاگرد کا بھی قطعہ تاریخ درج ہے۔ آخر کے ۱۳ بند میں حضرت حُرؑ کی شہادت بیان کر کے مرثیہ ختم کیا ہے۔

تیسرے مرثیے میں قاضی خاں کے حالاتِ زندگی درج ہیں۔ قاضی خاں داعی نہیں تھے۔ بلکہ ماذون تھے۔ افسرؔ نے اس مرثیے میں قاضی خاں کے ماذون بننے کا واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک رات قاضی خاں نے خواب میں امامِ عصر کو دیکھا، جو انہیں داعی اسماعیل جی بدرالدین کے ماذون بننے کی خوشخبری سناتے ہیں۔ اس مرثیے کے ابتدائی بند میں افسرؔ نے مختلف داعیوں کے مزاروں کی نشاندہی کی ہے۔ اور آخر میں قاضی خاں کے انتقال کا بیان ہے۔ یہ مرثیہ ۷۷ بند پر مشتمل ہے۔ اسے انہوں نے قاضی خان ماذون کے عرس کے موقع پر کہا تھا چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

ہے آج عرس اسی صاحبِ کرامت کا — ہے آج روضۂ اقدس پہ بھی عجب جلوہ
ہے آج زائروں کا بھی ہجوم حد سے سوا — ہے آج فاتحہ خوانی کا ان کی ہے چرچا
یہ آج بزم عزا عقد ان کے نام کی ہے
نظر کرم کی صدا خالقِ انام کی ہے

اس جلد میں سب سے طویل مرثیہ انچاسویں (۴۹) داعی محمد برہان الدین کا ہے۔ جو ''سوانحِ برہانی وکوائفِ قدسانی'' کے عنوان سے ۱۳۲۴ھ میں لکھا گیا ہے۔ اس مرثیہ کے ۴۱۰ بند ہیں۔ اس میں بمبئی کی کئی ایک مسجدوں کی تعمیر کا بھی ذکر ہے۔ ۱۸۹۱ء میں داعی حسام الدین کے انتقال کے بعد برہان الدین مسند نشین ہوئے۔ اسی ضمن میں افسر نے سینتالیویں داعی عبدالقادر نجم الدین کی وفات کا ذکر بھی کیا ہے۔ اس طویل مرثیے میں بمبئی کی جامع مسجد حسینی مسجد اور باندرہ اور شانتا کروز کی مسجدوں کی تعمیر کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ یہ ساری مسجدیں بوہروں کی تعمیر کردہ ہیں۔ افسرؔ نے داعی برہان الدین کی زندگی کے ہر چھوٹے بڑے واقعے کی تفصیل لکھی ہے اور تبلیغ کی غرض سے داعی نے کن کن ملکوں کا ذکر کیا اس کا بھی مفصّل حال بیان کیا ہے۔ افسرؔ کا یہ مرثیہ بمبئی کی پچاس سالہ مذہبی اور تعمیری سرگرمیوں کی مکمل تاریخ ہے۔

ان کا پانچواں مرثیہ اسماعیل بدرالدین ماذون کی وفات کے بیان میں ہے۔ جو انہوں نے ان کے چہلم کے موقع پر پڑھا تھا۔ اسماعیل بدر الدین داعی سیدزین الدین کے لڑکے تھے اور اس سلسلے کے سینتالیویں داعی تھے۔ اس مرثیہ کا سنِ تصنیف ۱۳۲۵ھ ابتدائی حصے میں افسر نے اسماعیل بدرالدین کے خاندان کے حالات بیان کیے ہیں۔ اس کے بعد ان کے مدح کی ہے۔ ان کے علم وفضل اور زہد وتقویٰ کا بھی ذکر کیا ہے۔ آگے چل کر ان کی بیماری اور وفات کا بیان ہے۔

افسرؔ کا آخری مرثیہ داعی عبداللہ بدرالدین کے بھائی عبدعلی محی الدین کی وفات کے بیان میں ہے۔ اس مرثیے کے مطالعہ سے سیدزین الدین جو پینتالیسویں داعی تھے۔ ان کے خاندانی رشتوں کا پتہ چلتا ہے۔ افسرؔ اس مرثیے میں عبداللہ بدرالدین کو پرسہ دیتے ہوئے حضرت امام حسینؑ کی مصیبتوں کا ذکر کرتے ہیں:

بھائی کے داغ حق نہ کسی بھائی کو دکھائے — جانے وہی کلیجے پہ جس کے یہ آنچ آئے
اس آگ سے خدا نہ کسی کا بھی دل جلائے — رونے کا ہے مقام کہوں کیا میں ہائے ہائے
عبد علی جناب جہاں سے گذر گئے
بھائی جناب بدر ہدیٰ شہؑ کے مر گئے

اس جلد میں دفعِ طاعون کے لیے ایک طویل مناجات بھی ہے۔

افسرؔ کے علاوہ ان کے ایک ہم عصر شاعر احسانؔ کا ایک مرثیہ دستیاب ہوتا ہے۔ جو انہوں نے داعی برہان الدین کی وفات پر لکھا تھا۔ یہ مرثیہ ۱۳۲۳ھ کا مطبوعہ ہے۔ احسانؔ کا نام ملّا احسان تھا۔ اور یہ ٹونڈ کے رہنے والے تھے۔ احسانؔ کے مرثیے کی ابتداء ذیل کے اس بند سے ہوتی ہے:

سردارِ مومنین وہ داعی گذر گئے — نائب امامِ دین وہ داعی گذر گئے
منصوص برہان الدین وہ داعی گذر گئے — رب کے تھے جو امین وہ داعی گذر گئے
افسوس یک بیک یہ صدمات کیا ہوئے — ایک تو مکا سر دوسرے داعی جدا ہوئے

یہ مرثیہ نو بند پر مشتمل ہے اور دعا پر ختم ہوتا ہے۔

آخر میں یہ کہے بغیر نہیں رہا جاتا کہ اودھ/لکھنؤ کے مرثیے بمبئی/دکن کے مرثیہ نگاروں نے پورے خلوص دل اور تپاک سے اپنے مرثیوں میں ڈھالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی حتیٰ کہ مرثیے کے بنیادی اصولوں پر ہاتھ صاف کرنے میں بھی کسی دریغ سے، یا رعایت سے کام نہیں لیا جب کہ یہ نمونہ صرف مشتِ از خروارے ہے۔ مگر مصرعوں کی صحتِ روانی ذخیرۂ الفاظ وغیرہ کی کمی اور لاعلمی، نقائص، تعقید وغیرہ کے اصولوں سے ناواقفیت کی وجہ سے واقعات یا مدعا تو بیان ہوگیا مگر سلاست، فصاحت، بلاغت کی چمک دعوے کے بعد بھی پھیکی رہی۔ دوسری وجہ واقعات کی ترسیل کو ضروری سمجھ کر زبان محاورے وغیرہ پر زور نہیں دیا گیا۔ اور دیتے بھی کیسے، کے آمدی و کے پیرشدی، ویسے ہی داغؔ کہہ گئے ہیں۔

نہیں سہل ہے داغ یاروں سے کہہ دو
کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

ویسے ہمارے مضمون کا تقاضہ ان مرثیہ نگاروں پر تنقید ہرگز نہ تھا نہ ہے۔ یہ تو مقطعے میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات۔ ہماری غرض مضمون یہ تھی کہ ہم لوگوں کو بتائیں کہ بوھرا حضرات جن کی مادری زبان بھی اردو نہیں ہے ان کے لیے بھی مراثی کے لیے اس زبان میں کتنی کشش ہے اور ہم ان حضرات سے کس قدر غفلت میں ہیں۔ نہ اس عہد تک کس کو نہیں معلوم بمبئی میں اردو ابھی تک ادبی رنگ و روغن سے ناآشنا تھی اور ہے ابھی اس افق پر نئے سورجوں کو طلوع ہونا تھا اور ہے کئی شاہراہیں دریافت ہونا ہیں جس کے سلسلے کی ایک کڑی رشید موسوی صاحبہ کا یہ Phd کا مقالہ ہے۔ موصوفہ کا کام تحقیق کا مواد تلاش کرنا تھا اور وہ کام انہوں نے سلیقے سے کر دیا۔ شعر و سخن کی اصلاح اور عیب و ہنر کی نشان دہی ان کی ذمہ داری نہیں تھی۔ ہم اس مضمون کے ذیل میں جہاں ڈاکٹر رشید موسوی کے شکر گزار ہیں وہاں جناب ڈاکٹر عباس جعفری مقیم مشی گن کے بھی ممنون ہیں کہ ایک اچھی کتاب پڑھنے کا موقع ملا۔ میرے خیال میں یہ زیرِ نظر مقالہ ایک الگ قسم کے مطالعہ کا مسودہ ثابت ہوگا۔ اس کے ساتھ ہم سلمہ اصغر مہدی اشعر کے بھی شکر گزار ہیں کہ اس کے لیے انہوں نے ''فروغِ مرثیہ'' رسالے میں شائع کرنے کے لیے جگہ بھی نکالی۔ خداوندان کی توفیقات میں اضافہ کرے۔

❁❁❁❁

رباعی

جس دن کہ فراق روح و تن میں ہوگا — مشکل آنا اس انجمن میں ہوگا
نازاں نہ ہو رختِ نو پہن کر غافل — اِک روز یہی جسم کفن میں ہوگا

(میر انیسؔ)

غیر مطبوعہ مرثیہ ''شہیدِ حق''

ڈاکٹر مظہر عباس رضوی

تعدادِ بند۔۔۔۔۵۰

(۱)
طبعِ رسا بنا مجھے خاقانیِ قلم ہوجائے مجھ سے دور یہ ویرانیِ قلم
بڑھتی ہے اس سے قوتِ ایمانیِ قلم لکھ مرثیہ ، دکھا ذرا جولانیِ قلم
ذکرِ علیؑ و آلِ علیؑ یوں نصیب ہو
میرا قلم ہمیشہ ہی حق کا نقیب ہو

(۲)
قرطاس کی زمیں پہ چلے اشہبِ قلم اشعار صف بہ صف چلے آئیں بہ چشمِ نم
ذکرِ حسینؑ کرتا رہوں اس طرح رقم ساماں نجات کا بنے ، قائم رہے بھرم
شعر و سخن کے شہر میں عزّت بنی رہے
باقی اگر رہے تو یہی شاعری رہے

(۳)
کیوں کر کروں نہ شکرِ خدا بارہا ادا خالق نے مجھ کو ذہنِ رسا کردیا عطا
الفاظ کا خزانہ ملا واہ مرحبا اور ان میں ربط و ضبط کا خوش کُن معاملہ
دے کر زبان اس طرح رتبہ بڑھا دیا
حیوان سے جدا کیا انساں بنا دیا

(۴)
یہ ہی نہیں فقط کہ زباں اُس نے دی مجھے الفاظ کی سکھائی ہے جادوگری مجھے
ذوقِ سلیم بخشا ، ملی شاعری مجھے دے کر علوم ساتھ ہی دی آگہی مجھے
عقل و شعور ہوگئے یوں دل پہ منطبق
صد شُکر مجھ کو مل گئی نُطقِ صفا و صدق

(۵)
خالق نے کیا کیا رکھّے نہ جوہر زبان میں لہجوں کے ڈالے سینکڑوں تیور زبان میں
پوشیدہ کیسے کیسے ہیں منظر زبان میں ہر بات ہو رہی ہے اجاگر زبان میں
میٹھی زبان لائے وہ ہتھیار کے بغیر
دشمن کو زیر کردیا تلوار کے بغیر

ایسے چلے نسیمِ سخن لالہ زار میں الفاظ جیسے پھول کھلے ہوں بہار میں
مصرعے کہ جیسے سرو و صنوبر قطار میں (۶) کیا کچھ نہیں زبانِ جواہر نگار میں
ہو گر عطا ، ہو حمدیہ و نعتیہ کلام
نوحہ ہو مرثیہ ہو کبھی منقبت ، سلام

پُرسوز دل نہ ہو تو ہے بیکار یہ زباں الفاظ میں اسی سے تو بھرتی ہیں بجلیاں
بڑھتی چلی ہی جاتی ہے پھر طاقتِ بیاں (۷) دل ساتھ ساتھ عقل کے ہوتا ہے جب رواں
ہوتی رقیق قلب کی ہے بات پُر اثر
دائم نقوش ہوتے ہیں پھر ثبت ذہن پر

سچائی جس میں ہو ، ہے وہی معتبر کلام سچ کے بغیر چلتا نہیں کوئی بھی نظام
سچ عالی مرتبت ہے تو سچائی ''حرّ مقام'' (۸) سچ ہے یہی کہ جھوٹ کو حاصل نہیں دوام
حق بات سے اگر کوئی جلتا ہے تو جلے
''کہتا ہوں سچ کے جھوٹ کی عادت نہیں مجھے''

کھِلتے گلاب حق کے اگر ہوں سرِ چمن رہتی نہیں ہے ذہن کے زندان میں گھُٹن
حق بات لے کے آتی ہے چہرے پہ اک پھبن (۹) ہوتے نہیں ہیں جھوٹ کے پاؤں جنابِ من
جھوٹوں پہ بھیجی جاتی ہے لعنت سنو سنو!
قرآن کہہ رہا ہے کہ سچوں کے ساتھ ہو!

جو حق کو اور سچ کو بناتا ہے راہبر طے کرتا ہے وہ راستے بے خوف اور خطر
آسان اس کی منزلیں ، آسان رہ گزر (۱۰) چھوڑے جو حق کا ساتھ ، کرے ظلم نفس پر
باطل پسند آتا ہے ہر اک شریر کو
حق یہ ہے ، حق ہی رکھتا ہے روشن ضمیر کو

کچھ لوگ بولنے سے نہ آتے ہیں باز جھوٹ کچھ کا دفاع فریب ہے کچھ کا محاذ جھوٹ
چھوٹا کسی کا جھوٹ کسی کا دراز جھوٹ (۱۱) تاریخ دان کچھ لکھیں تاریخ ساز جھوٹ
ڈالیں جو بادشاہوں کی تاریخ پر نگاہ
کھُل جائے گا کہ کون ہیں جھوٹوں کے بادشاہ

سچ میں بدل تو سکتا نہیں جھوٹ جھوٹ ہے ہر جا یہ سکّہ چلتا نہیں جھوٹ جھوٹ ہے
اس کا گرا سنبھلتا نہیں جھوٹ جھوٹ ہے (۱۲) دل کیا کرے ، بہلتا نہیں جھوٹ جھوٹ ہے
آزردگی کی ، رنجش و بغض و عناد کی
سچ تو ہے یہ کہ جھوٹ ہے جڑ ہر فساد کی

مت جھوٹ بولیے کہ یہاں شہہ کو مات ہے
سو بات کی حضور یہی ایک بات ہے (۱۳)
حق کے بغیر زندگی تاریک رات ہے
دنیائے بے ثبات میں سچ کو ثبات ہے
مشکل حیات جیسے ہے دانائی کے بغیر
مذہب نہ رہ سکے کبھی سچائی کے بغیر

روزِ ازل سے ہے حق و باطل کا معرکہ
اکیسویں صدی میں بھی جاری ہے سلسلہ (۱۴)
قابیل سے یزید تلک ، اس سے بھی سوا
جب تک حیات باقی ہے اس کو بھی ہے بقا
باطل کا سر نگوں کیا حق نے جہاں ہوا
حق کو چھپایا جتنا وہ اُتنا عیاں ہوا

سلام کی جو ڈالیں تواریخ پر نظر
سب مستند حدیث و روایات چھوڑ کر (۱۵)
پھر کچھ پتہ چلے گا بشر میں ہے کتنا شر
لکھتے ہیں جھوٹ اور اسے کہتے ہیں معتبر
کتنے مزے سے کہتے ہیں وہ زہر کو دوا
''اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا''

تاریخ میں رقم ہیں بہت یوں تو معرکے
منظر مباہلے کا بھی پیشِ نظر رہے (۱۶)
باطل سے دور ، حق سے قریں کون کون تھے
حق کی گواہی دینے کو بس پنجتنؑ ہی تھے
ایمان کی ہے بات چلو مانتے تو تھے
عیسائی ایسے ، اچھے مسلمان سے تو تھے

لے کر جو پنجتنؑ کو چلے سرورِؐ جہاں
تھا مختصر سا قافلۂ حق رواں دواں (۱۷)
حسنینؑ اور زہراؑ ، علیؑ اُن کے درمیاں
وہ پاسبان حق تھے تو حق اُن کا پاسباں
دیکھا جو پادری نے تو چلّا کے یہ کہا
ہٹ جاؤ ان کے سامنے سے چھوڑو راستہ

حیران تھے یہ لوگ کہ اہلِ حرم ہیں کون
روشن جبینیں جن کی ہیں یہ محترم ہیں کون (۱۸)
جو نور مل گئے ہیں یہ سارے بہم ہیں کون
جو حق کے پاسبان ہیں یہ ذی حشم ہیں کون
آئی ندا یہ مرضیٔ حق ہیں جہان میں
یہ ہستیاں ہیں ذکر ہے جن کا قرآن میں

حق بین و حق پرست و حقدار و حق شیم
یہ وہ ہیں جن کے نور سے روشن زمیں ، ارم (۱۹)
ہے کون ایسا چادرِ تطہیر کی قسم
آیاتِ حق جہان میں کرتے ہیں جو رقم
ہوتا ہے ظلم و جور کا سینہ ان ہی سے شق
دنیا کو یہ پڑھاتے ہیں حق بات کا سبق

بالا ہے بات یہ مری ادراک و فہم سے ان ہستیوں پہ جھوٹ کی تہمت اگر لگے
کیسا شقی ہے وہ کہ جو یہ بات کہہ سکے (۲۰) اور اس کے بعد بھی وہ مسلمان ہی رہے
اُمّت نبیؐ کی ایسا کرے غور تو کرو
کیوں پانی پانی شرم سے انسانیت نہ ہو

حق پر نہ آیا اس سے کوئی سخت مرحلہ دربار میں خلیفہ کے جاتی ہیں سیدہؑ
باغِ فدک کا پیشِ نظر ہے مقدّمہ (۲۱) جھٹلایا جا رہا ہے کنھیں دیکھیے ذرا
جن کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''بضعۃ مِنّی'' کہا ، اُنھیں
صدیقہؑ طاہرہؑ کا لقب جن کا تھا ، اُنھیں

پہچاننا ہے حق کو تو آؤ علیؑ کے گھر دیکھو ذرا چمکتے رسالتؐ کے یہ گہر
یہ پنجتنؑ ہیں ، جن سا نہیں ہے کوئی بشر (۲۲) حق ہے یہیں پہ بھٹکو نہ ہرگز اِدھر اُدھر
بد عہدی گر نہ ہو جو کسی کی سرشت میں
وعدہ کیا تھا اُن سے ہی دورِ الست میں

یہ خانوادہ حق کی نشانی ہے بے گماں قائم ہے ان سے سر پہ صداقت کا آسماں
ان کے بغیر مل نہ سکے گی کہیں اماں (۲۳) حق ان کی گود میں ہی تو پل کر ہوا جواں
حقّانیت پہ ان کی جو انگلی کوئی اٹھائے
مجنوں نہ پھر کہیں تو کہیں کیا کوئی بتائے

آیات دیکھ ان کی تو شانِ نزول دیکھ سیرت نبیؐ کی پڑھ ذرا قولِ رسولؐ دیکھ
کس کو کیا ہے رد کیا کس کو قبول دیکھ (۲۴) دیتے ہیں کس کے واسطے سجدے کو طول دیکھ
یہ دیکھ تو خدا سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا دعا کریں
''یارب تو حق کو پھیر جدھر کو علیؑ پھریں''

یہ بھی عجیب فکر ہے اچھا برا ہے ایک الفاظ مختلف ہیں مگر مدعا ہے ایک
بازار سے ملے جو وہ کھوٹا کھرا ہے ایک (۲۵) یعنی سمجھ لیں آپ کہ گھوڑا گدھا ہے ایک
جو بات کرنی ہے وہ بہت صاف کیجیے
للہ کچھ تو آپ بھی انصاف کیجیے

آپس میں لڑ رہے ہوں کہیں پر جو دو بشر حق پر ہوں دونوں ہو نہیں سکتا ہے یہ مگر
ان کو کہے گا کون بھلا صاحبِ نظر (۲۶) جن کو خبر نہ ہو ہے کہاں خیر ، شر کدھر
ماتم کریں نہ عقل پہ اس کی تو کیا کریں
جو فرق کرسکے نہ سیاہ و سفید میں

موقع اِسی کا ہے کہ کریں بات بر محل دیکھیں اس آئینے میں ہی صفّین اور جمل
ملتا نہیں ہے آپ کو گر اس کا کوئی حل (۲۷) قولِ رسولؐ پاک پہ پھر کیجیے عمل
مومن کے ہاتھ یہ نہیں ، یہ حق کے ہاتھ ہیں
''حق ہے علیؑ کے ساتھ علیؑ حق کے ساتھ ہیں''

آساں نہیں ہیں حقّ و صداقت کے راستے اس رہ پہ چلنے کو تو ہیں درکار حوصلے
ممکن یہاں سفر ہے تو پختہ یقین سے (۲۸) اس کے بغیر راہِ صداقت نہ مل سکے
صحرائے ظلم و جور میں دیتے ہیں وہ اذاں
حق جن کے پاس ہے وہی ثابت قدم ہیں یاں

خورشیدِ حق طلوع ہوا کربلا میں جب ظلم و ستم کی ڈھلنے لگی پھر سیاہ شب
کھُلنے لگے ہر ایک کے پھر تو حسب نسب (۲۹) ظاہر تھا صاف صدق و ضلالت میں فرق اب
چُھپ سکتی تھی کہیں بھی نہ کوئی منافقت
برہنہ ہوگئی تھی جہاں میں یزیدیت

نکلا تھا ایک لشکرِ دیں حق کی راہ میں حق سے زیادہ کچھ نہ تھا اس کی نگاہ میں
تھے حق پرست سارے حسینیؑ سپاہ میں (۳۰) جھُکتے تھے وہ خدا کی فقط بارگاہ میں
حقّانیت کی موت تھی بیعت یزید کی
کیسے بھلا وہ کرتے اطاعت یزید کی

آئے حسینؑ کرب و بلا میں بصد نیاز اب لازمی تھا ہو حق و باطل میں امتیاز
دن لوٹ آئیں پچھلے کہ جب تھے شہؑ حجاز (۳۱) کرب و بلا میں پہلی سی قائم ہو پھر نماز
اُتریں خزاں رسیدہ درختوں پہ پھر ثمر
اور پھلنے پھولنے لگے اسلام کا شجر

دشوار کِھلنا پھولوں کا تھا ریگ زار میں ڈھلتے بگولے کس طرح ابرِ بہار میں
لُو کیسے لیتی صحنِ چمن کو حصار میں (۳۲) جنگل بدلتا کیسے حسیں مرغ زار میں
حق کو کہاں سے ملتا کوئی چہرۂ حسیں
کیسے نکھرتی مذہبِ اسلام کی جبیں

آئی ندا کہ خون سے نکھرے گا اب چمن قربانی چاہیے یہی قدرت کا ہے چلن
خونِ حسینؑ واضح کرے گا صلحِ حسنؑ (۳۳) پھولوں میں اب اسی طرح آئے گا بانکپن
دیں کو نکھارنے کا بنے گا یہی سبب
ہوگا تمام فیصلہ کرب و بلا میں اب

کہنے لگے حسینؑ کہ حاضر ہے میری جاں میں دشتِ کربلا کو بناؤں گا آسماں
میرا تنِ بُریدہ ہی اب ہوگا حق نشاں (۳۴) اسلام ہوگا میرے لہو سے ہی پُرفشاں
چمکے گا دین ، حقّ و صداقت کے نور سے
آئے گی اب تجلّی یہاں کوہِ طور سے

حقّانیت کے دیپ جلاؤں گا راہ میں گھر بار سب لُٹاؤں گا میں تیری چاہ میں
قُرباں پسر کروں گا اسی بارگاہ میں (۳۵) اصغرؑ بھی ساتھ آئے گا میری سپاہ میں
پیاسوں کی یاد سب کو ابد تک رُلائے گی
حق پر ہے کون تشنہ لبی یہ بتائے گی

شاہد ہے اس کی آج بھی تاریخِ کربلا جو کچھ کہا حسینؑ نے پُورا اُسے کیا
روشن کچھ اور ہوگیا پھر حق کا راستہ (۳۶) تنہا تھے اب حسینؑ بہ میدانِ کربلا
آزردگی سے کہتے تھے یہ فوجِ شام سے
کیا چاہتے ہو ظالمو حق کے امامؑ سے

ہُوں فاطمہؑ کا لال علیؑ کا پسر ہوں میں حق جس پہ ناز کرتا ہے وہ نامور ہوں میں
حق بین و حق شناس ہوں میں ،حق نِگر ہوں میں (۳۷) ظلمت ہو جس سے خوفزدہ وہ سحر ہوں میں
لکھواتے کیوں ہو ذلت و نکبت نصیب میں
مجھ سا امامؑ ہے نہ بعید و قریب میں

حجّت تمام کرکے رُکے شاہِؑ دین جب حملے کے واسطے ہوئے تیار بے ادب
اُٹھا سپاہِ شام سے اک شور اور شغب (۳۸) قتلِ حسینؑ کو بڑھے بے دین اُف غضب
کہتے شقی تھے دین کے رہبر کو مار دو
تھا شور ابنِ ساقیِ کوثر کو مار دو

چاروں طرف حسینؑ کے تھا اک جمِ غفیر بدفکر ، بدنہاد ، بداعمال ، بے ضمیر
سارے ہی فوجِ شام میں تھے نفس کے اسیر (۳۹) مارا کسی نے نیزہ چلایا کسی نے تیر
تاریکی اور اندھیرے کا در باز کردیا
باطل نے حق سے جنگ کا آغاز کردیا

اُمید جب رہی نہ کوئی فوجِ شام سے مولا نے ذوالفقار نکالی نیام سے
قبضے پہ ہاتھ رکھ کے کہا یہ حسام سے (۴۰) لے آج اپنی پیاس بجھا خوں کے جام سے
باطل کو یوں مٹادے کہ حق معتبر رہے
چل اس طرح کہ یاد علیؑ کا پسر رہے

سُن کر یہ بات ناز سے کافر ادا چلی پہنچی ادھر جو سر پہ اُدھر سے قضا چلی
کٹ کٹ کے بدنہاد گرے تیغ کیا چلی (۴۱) ہر ذی نفس کے واسطے بس اک دفعہ چلی
تیغِ دو دم علیؑ کے پسر کی اساس تھی
مُنکر کو صرف مارتی تھی حق شناس تھی

پہنے ہوئے لہو کا لبادہ وہ زرق برق گرتی تھی دشمنوں کی صفوں پر مثالِ برق
چہرے پہ غیض تھا تو ٹپکتا جبیں سے عرق (۴۲) چلتی جہاں بھی کرتی تھی دشمن کو خوں میں غرق
تکنی کا ناچ ایسا عدو کو نچاتی تھی
جس جا پہ جاتی کُشتوں کے پُشتے لگاتی تھی

ٹپکا کے خون کہتی تھی میں ذوالفقار ہوں دیکھو مجھے کہ نابغۂ روزگار ہوں
اک لحظے میں ہزاروں کے میں آر پار ہوں (۴۳) ہوں ایک ، پر سمجھتے ہیں سب ، بے شمار ہوں
لاتی ہوں موت، آتی ہوں جب تیغ زن کے پاس
آئے کوئی عدو ذرا شاہؑ زمن کے پاس

بے چین تیغ تھی تو فرس بھی تھا بے قرار پاؤں سے بڑھ کے روندتا ، گرتا جو شہسوار
ڈر ڈر کے دور بھاگتے اُس سے ستم شعار (۴۴) وہ ذوالجناح تھا کہ کوئی برقِ تاب دار
قدموں سے اس کے ریت کے ذرّات اُڑتے تھے
جب مارتا سموں کو تو شعلے نکلتے تھے

تلوار جب چلاتے تھے تیزی سے شاہؑ دیں تھرّاتا آسمان تھا اور کانپتی زمیں
قدموں میں اُن کے موت رگڑتی تھی اب جبیں (۴۵) رکھ دیتے تھے اُلٹ کے صفوں کی صفیں وہیں
لہراتے جب حسینؑ کہیں ذوالفقار کو
حد ہے لعیں پکارتے پروردگار کو

خود کو سمجھتے تھے جو بڑے نامور گرے اُٹھ کر اِدھر کھڑے ہی ہوئے تھے اُدھر گرے
پتّے تھے گویا شاخوں سے جو ٹوٹ کر گرے (۴۶) بارش کی بوندوں کی طرح واں سر پہ سر گرے
دل تھا یہ تیغ کا کہ کرے سب تہس نہس
آئی ندا فلک سے یہ بس اب حسینؑ بس

یہ سُن کے تیغ روک لی شاہؑ انام نے حسرت سے آسمان کو دیکھا امامؑ نے
چھوڑا فرس کو ایسے شہؑ تشنہ کام نے (۴۷) آئیں فلک سے فاطمہؑ بیٹے کو تھامنے
حق کی بُلندی کے لیے سجدہ ادا کیا
تعمیلِ حکمِ رب تھی جو سر کو جھکا دیا

بس یاں گرے حسینؑ وہاں فتنہ گر بڑھے نیزے بڑھے کہیں ، کہیں تیر و تبر بڑھے
چاروں طرف سے بانیِ شر تیز تر بڑھے (۴۸) اک سر کو کاٹنے کے لیے لاکھ سر بڑھے
کرگس سے جھپٹے فاطمہؑ کے نورِ عین پر
تلواریں ساری ٹوٹ پڑیں پھر حسینؑ پر

یوں خوں بہا کہ ہوگیا دریا لہو لہو خونِ حسینؑ کر گیا صحرا لہو لہو
تھا فرقِ پاک زخمی تو چہرہ لہو لہو (۴۹) جسمِ حسیں تھا سارے کا سارا لہو لہو
ظالم پکڑ کے کھینچتے تھے سر کو بالوں سے
حق پائمال ہوتا تھا گھوڑوں کی ٹاپوں سے

اے خانۂ صداقتِ ایماں سلام ہو اے خاندانِ ہادیِ دوراں سلام ہو
اے خانوادۂ شہِؑ شاہاں سلام ہو (۵۰) اے خسروانِ منبعِ ایقاں سلام ہو
دل سے دعا ہے حق کا ہو قائم یہاں نظام
مظہرؔ یہ مرثیہ ہے شہیدانِ حق کے نام

دبیرؔ کے مرثیے

(جلد پنجم)

عنقریب شائع ہورہی ہے

ترتیب وتدوین

اصغر مہدی اشعر

مرثیہ ''الحمد'' ایک تجزیاتی مطالعہ

عادلؔ مختار

ادب میں، ہمارے تمام تر مذہبی، فلسفیانہ، سیاسی اور سماجی شعور کے باوجود، کسی نظم کی تخلیق میں اہمیّت فقط عنوان اور مواد کی نہیں بلکہ عنوان اور مواد کے ساتھ کیئے گئے ''سلوک'' کی ہوا کرتی ہے۔ اس بنا پر کسی بھی نظم کی عظمت فقط اس کے عنوان یا موضوع کے عظیم ہونے میں نہیں بلکہ اس نظم کی اہمیت اس بات میں ہوگی کہ ایک خیال کو کس طرح تخلیقی عمل سے گزار کر اس کے موضوع کے پھیلاؤ اور فکری وفنی وسعتوں کے باوجود ایک اکائی کی صورت میں وجود میں لایا گیا ہے۔ ایک نظم کی تخلیق کے بعد اس کی اہمیت اور عظمت کا اندازہ لگانے کے لیے سوال کیا جائے گا اس موضوع کا جو حق تھا یا تقاضا تھا وہ پورا کیا گیا؟ اور اگر کیا گیا تو اس کی ''تکمیل کی نوعیت'' کیا ہے؟

ایسا ممکن ہے، بلکہ اس کی محسوس اور محفوظ مثالیں موجود ہیں کہ ایک موحد شاعر اپنی نظم کا عنوان ''حمد'' قرار دیتا ہے مگر اس موضوع کے ساتھ اس قدر غیر سنجیدہ اور غیر تخلیقی سلوک کرتا ہے کہ ایک موّحد سامع یا قاری کے ذہن میں بھی داد دینے کا خیال تک پیدا نہیں ہوتا بلکہ اسے ایک قسم کی ذہنی مزاحمت کا احساس ہوتا ہے اور وہ زیادہ سے زیادہ ''حمد'' کے موضوع کے احترام میں خاموش رہتا ہے۔ اس کے برعکس ایسا بھی دیکھنے کو ملتا ہے کہ ایک شاعر کُفر پر مبنی نظم کہتا ہے مگر اس کا اپنے موضوع کے ساتھ رویّہ اور تخلیق کا انداز اس سطح کا ہوتا ہے کہ اُس ''کفریہ نظم'' پر ایک موّحد ادیب بھی داد وتحسین کے جذبات کے اظہار میں تامّل نہیں کرتا۔

لہٰذا عنوان اور مواد کے ساتھ نظم کی عظمت خیال سے وابستہ تخلیقی سلیقے میں مضمر ہوتی ہے۔

اگر صورتِ واقعہ ویسی ہے جیسے کہ ذکر کی گئی ہے تو ڈاکٹر ہلال نقوی صاحب کا سورۂ الحمد کو موضوع بنا کر کہا گیا مرثیہ ''الحمد''، اردو ادب میں بالعموم اور رثائیات میں بالخصوص، متعدد جہات سے ایک اہم کام ہے۔ اس نظم کو اس کے عنوان کے اعتبار سے مذہبی شاعری قرار دے کر نظر انداز کرنا روا نہیں اور اسے مرثیہ ہونے کے اعتبار سے محدود علاقے میں موردِ بحث قرار دینا بھی ایک غیر منصفانہ رویّہ ہوگا۔

''الحمد''، نظم کا مرثیہ ہونا یا اس مرثیہ کا خالصتاً مذہبی عنوان اس نظم کی محدودیت کی دلیل نہیں بلکہ اس نظم کا تخلیق کار اس نظم میں تفسیر وتاویل کے حوالوں کے ساتھ ساتھ ایسے توانا اور طاقت ور تخلیقی محاسن کے ساتھ وارد ہوا ہے کہ جو فقط شعر ہی سے علاقہ رکھتے ہیں۔

مرثیہ ''الحمد'' کا تجزیہ کرتے ہوئے ہمیں اس کے تخلیق کیے گئے مواد کو تین حصوں، مکتبی تفسیر کے افادات، تفسیر اور شعر کے مابین مواد اور خالصتاً شعری مواد، میں تقسیم کرنا ہوگا۔ اور اس حوالے سے خود اس مرثیے کا تخلیق کار ہماری رہنمائی کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے:

کرنا ہے طے سفر جو مفکّر کی آنکھ سے
پڑھنا ہے حاشیوں کو مفسّر کی آنکھ سے
وہ رُخ کہ فلسفے کا گزر تک جہاں نہ ہو
اُن سب کو دیکھنا بھی ہے شاعر کی آنکھ سے

قرطاس پر سمیٹ کے ہر خطِّ راہ کو
جانا ہے ماورائے نگہ بھی نگاہ کو

افادات از مفسرین کی بات کی جائے تو ہلال صاحب اپنی فکر کی بنیاد کی مضبوطی کے لیے سب سے پہلے معتبر تفاسیر سے بالواسطہ یا بلا واسطہ استفادہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اگر مرثیے کے ان شواہدِ تفسیر پر مبنی حصّے کا بغور مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ہلال صاحب نے سورۂ الحمد کی متعدد تفاسیر کا مطالعہ کیا ہوگا مگر ان میں آیت اللہ خُوئی علیہ الرحمہ کی ''البیان'' اور امام خمینی رضوان اللہ علیہ کی ''العرفان'' سے بھرپور استفادہ نظر آتا ہے۔ اور مذکورہ تفاسیر سے استفادہ مرثیہ نگار کے اعلیٰ معیارِ فکر اور مہذّب ذوق کی دلیل ہے کہ جس سے مرثیے کے عنوان کے تحت وجود میں آنے والے مقدّماتی مواد کی اہمیت بھی واضح ہوتی ہے اور مرثیئے کا عنوان جس سلیقے کا متقاضی ہے اس کے آثار بھی واضح ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔

مرثیے کے اس ''تفسیری حصے'' کی اہمیت اس بات سے بھی بڑھ جاتی ہے کہ اس میں صرف معارف یا نکات کو بعینہٖ نقل نہیں کیا گیا بلکہ شاعر نے اپنی موزوں طبع کے مطابق ان نکات کو شعری عمل سے گزار کر تصنیف کیا ہے۔ جس سے اس حصے کے معارف یا ان سے کُھلنے والے حقائق سائنسی مزاج کے برعکس اپنے اندر تحقیق کے ساتھ ساتھ وہ کشش بھی رکھتے ہیں جو ایک کلام کو ادب ہونے کی حیثیت عطا کرتی ہے۔

خود کہہ رہا ہے سورۂ الحمد کا نصاب — آیات شش جہات کی تلخیص ہے یہ باب
اس سورۂ محیطِ بیاں سے عیاں ہے یہ — سات آیتیں ہیں اصل میں دیباچۂ کتاب
ہر شے رواں ہیں ان کی روانی کے درمیاں
قرآں کُھلا ہے سبعِ مثانی کے درمیاں

الحمد دل کشا ہے لبِ حمد ذوالجلال — شرحِ نکاتِ حمد میں کیا قال کیا مقال
اک حرفِ حمد بوجھ جو ڈالے زمین پر — قطبِ زمیں سے اپنا توازن بھی ہو محال
پیدا ہو دم زدن میں یہ صورت بگاڑ کی
اڑ جائیں خود زمین سے میخیں پہاڑ کی

رحمان تا رحیم مباحث بھی ہیں ادق — جن کا نچوڑ یہ ہے پئے دفترِ ورق
رحمانیت صفت ہے جو اک لطف عام کی — وصفِ رحیمیت ہے مگر خاص لطف حق
یہ دہر جو کمال ہے اس امتیاز کا
کیا آئینہ ہے دیکھ نشیب و فراز کا

یہ راہِ مستقیم صراطِ مکاشفات — اور آدمی ہے کاشفِ منزل پئے صفات
ہر لمحہ اک صدا ہے یَتَفَکَّرُون کی — ہر دم مقامِ غور ہے خود آدمی کی ذات
صنفِ خذف میں مثلِ زمرُّد ہے آدمی
اک پرتوِ صفاتِ خدا خود ہے آدمی

مرثیے کے بعض بند ایسے ہیں کہ جو باقاعدہ تفسیر کی بجائے ادعیہ و زیارات سے ظہور پانے والے مضامین پر مشتمل نظر آتے ہیں۔ مثال

کے طور پر مرثیئے کے چالیسویں بند کی بیت:

گردش بدل رہی ہے افق بھی جو صبح و شام ہر پل ہے ارتقا کی مسافت کا اہتمام
یوں بھی ملے گی قطرہ آبی کو ابرو ہوگی نمی کی بوند بھی سورج سے ہم کلام
آئی نہیں ہے حیرتِ حکمت کی حد ابھی
سائے کا وزن تول رہی ہے خرد ابھی

یہ بیت صحیفۂ سجّادیہ کی ایک تسبیح پر مبنی دعا سے مستفید دکھائی دیتی ہے کہ جس میں امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں، "سُبْحٰنَكَ تَعلمُ وَزنَ الظُّلمَةِ والنُّور"۔ اور اس دعا کے حاشیے میں مفتی جعفر حُسین اعلی اللہ مقامہ لکھتے ہیں:

''سایہ وہی تاریک حصہ ہے جو کثیف اور غیر شفاف اجسام کے امتزاج سے مرئی شعاعوں سے خالی ہوتا ہے۔ لیکن غیر مرئی شعاعیں اس میں کم وبیش ہوتی ہیں جس سے وہ کبھی زیادہ تاریک اور کبھی کم تاریک ہوتا ہے اور جس طرح کثیف اجسام مرئی شعاعوں کے نفوذ سے مانع ہو کر سایہ کو جنم دیتے ہیں اسی طرح دو روشنیوں کے تصادم سے بھی سایہ نمودار ہوتا ہے جسے ظلّ نُور سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ بھی اسی طرح وزن کا حامل ہوتا ہے جس طرح تاریکی غیر مرئی شعاعوں کی وجہ سے وزن رکھتی ہے'' (صحیفۂ سجادیہ مطبوعہ امامیہ پبلیکیشنز، ص ۴۱۴)

مرثیے کے مذکورہ بالا اور ان جیسے دیگر تمام بندوں میں اگرچہ تفسیر کا رنگ غالب ہے جس سے مرثیے کو ایک طرف مضبوط فکری بنیاد ملتی ہے تو دوسری طرف اس نظم کے افقِ اعلی کی طرف رہنمائی بھی ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس حصّے میں مفکّرانہ اور شاعرانہ آثار بھی بتدریج واضح ہوتے دکھائی دیتے ہے کہ جو بعد میں اپنے اپنے مقام پر اس مرثیے کو دیگر مدارجِ عالیہ تک لے کے جاتے ہے۔

جب امام خُمینی رحمہ اللہ کے شواہد و آثار یا دیگر فلسفیانہ آثار تفسیر کو شعری پیرائے میں دریافت کیا جاتا ہے تو اس بات کا شدّت سے احساس ہوتا ہے کہ مکتبی تفسیر سے خالصتاً شعری فضا میں داخل ہونے سے پہلے اس نظم کے شاعرِ مفکّر کو اپنے خیال کو مواد میں بدلتے ہوئے تفسیر اور شعر کے مابین ایک برزخ سے گزرنا ہوگا۔ اور مرثیے کا خاصا حصہ اسی قسم کے برزخی مواد پر مبنی ہے اور یہ مواد باقاعدہ یا مسلسل ہونے کی بجائے اوّل تا آخر بکھرا ہوا ملتا ہے۔ مرثیہ کا یہ حصہ حجم کے اعتبار سے تفسیری افادات سے زیادہ بھی ہے اور اہم بھی ہے کیونکہ یہاں عنوان کے ساتھ ساتھ شعر میں بتدریج ڈھلتے ہوئے مواد کا حق ادا ہوتا بھی دکھائی دیتا ہے۔

الحمد روشنی کے سفینے عیاں ہوئے بے مدعا بھی دل کے دفینے عیاں ہوئے
ہر جنبشِ مژہ پہ اترنے لگی کرن جو تھے پسِ خبر وہ خزینے عیاں ہوئے
گردوں بھی گرد چشم تحیُّر کے سامنے
سیّارے رک گئے ہیں تصوُّر کے سامنے

''العرفان'' میں معاصر تفسیر میں ایک ممتاز بحث کی بنیاد رکھی گئی ہے کہ جس کا عنوان ہے ''تمام حرکات اسمائے الٰہی ہیں''۔ اسی بحث اور کچھ دیگر نکات سے استفادہ کرتے ہوئے ہلال صاحب مذکورہ ''برزخی مواد'' کو عملِ تخلیق سے گزارتے نظر آتے ہیں:

افلاک گردشیں یہ مناظر نظر نشیں مہر و مہِ درخشاں و گرداں افق زمیں
ان کی ثنا ہو کیا کہ اسی کی ثنا ہے سب ہر حمد ہے اسی کی جو ہے رب العالمیں

سمتوں کا یہ سفر بھی جو اطراف و گرد ہے
سب سلسلوں میں اسمِ الٰہی کا ورد ہے

پلکوں پہ تُل رہی ہیں ترنگیں حیات کی ریشوں میں رل رہی ہیں امنگیں حیات کی
قطروں میں دھل رہی ہیں زمینوں کی چادریں ذروں میں کُھل رہی ہیں سرنگیں حیات کی

آرائشِ زمیں کا جو سودا فلک سے ہے
یہ سب بہار غنچۂ کُن کی چٹک سے ہے

عقیدت معلوم بنیادوں پر قائم ہونے کے باعث موضوعات کے حوالے سے عموماً محدود دائرہ کار کی حامل سمجھی جاتی ہے جبکہ شعر کا جوہر ایک ایسی تخلیق کے طور پر جانا جاتا ہے کہ جس سے غیر متوقع تحیُّر اور غیر متوقع لطف پیدا کرنے والے مدرکات کی ایجاد کا امکان وابستہ ہوتا ہے۔اس مرثیے کا موضوع سورۂ الحمد ہونے کے باوجود ہلال صاحب نے بعض مقامات پر ایک ایسا مواد تخلیق کیا ہے کہ جو نہ صرف فلسفے کی زد میں نہیں آ سکتا بلکہ ہر طرح سے تفسیر کی فضا سے بھی مغاریت رکھتے ہوئے خالصتاً شعری مواد ہے۔اس خالص شعری مواد کا خاص امتیاز یہ ہے کہ اگر شاعری کے علاوہ اسے کسی دوسرے میزانِ فکر پر پرکھا جائے تو یہ مواد اپنے معانی سے دستبردار ہو جائے گا۔یہ مواد تفسیر کے مکتبی زاویے سے ۱۸۰ کے درجے پر واقع ہے۔اس مواد کو اگرچہ استقلال حاصل ہے مگر کسی مقناطیسی علاقہ کی طرح تفسیر ہو کہ فلسفہ ان سے جذب و دفع کے ایک غیر محسوس تعلق کے ساتھ۔اور یہ وہی مواد ہے کہ جس کے لیئے خود ہلال صاحب نے مرثیے کے آغاز میں ہی اشارہ دیا تھا:

وہ رُخ کہ فلسفے کا گزر تک جہاں نہ ہو
ان سب کو دیکھنا بھی ہے شاعر کی انکھ سے

مرثیے کے اس خالصتاً شعری مواد کے بعض نمونے پیش کیے جا رہے ہیں:

اک تخم میں تمام شجر محو خواب ہے کونپل کی نرمیوں میں ثمر محو خواب ہے
ہر ابتدا کی اوٹ میں ہے انتہا کا عکس آغوشِ شب میں حُسنِ سحر محو خواب ہے

چلمن سے خد و خال چمکتے ہیں کس لیے
چہرے پسِ نقاب دمکتے ہیں کس لیے

دریا کی وہ زمیں جو ہے دریا کے پاؤں میں کب سے سسک رہی ہے گھٹن کی فضاؤں میں
بیگانۂ خروش نہ سمجھو مگر اسے پروان یہ چڑھی ہے تلاطم کی چھاؤں میں

بیٹھے تو پائے موج میں زنجیر ڈال دے
اٹھے تو زلزلوں سے یہ دریا اچھال دے

اگر اردو ادب کی ہی بات کی جائے تو حباب اگر مستقل طور پر نہیں تو اکثر انسان یا اس زندگی کی بے ثباتی یا عمومی طور پر کسی بھی شے کے بے حیثیت اور بے حقیقت ہونے کی علامت یا استعارے کے طور پر استعمال ہوتا رہا ہے۔اور اس حوالے سے سرِ دست کچھ مثالیں پیش ہیں:

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے
(میر تقی میرؔ)

نمود و بود کو عاقل حباب سمجھے ہیں
وہ جاگتے ہیں جو دنیا کو خواب سمجھے ہیں
(میر انیسؔ)

بس اس قدر ہے خلاصہ مری کہانی کا
کہ بن کے ٹوٹ گیا اک حباب پانی کا
(عبدالحمید عدم)

بحرِ ہستی میں ہوں مثالِ حباب
مٹ ہی جاتا ہوں جب ابھرتا ہوں
(اکبر الہ آبادی)

اب اس مرثیے کی خالصتاً شاعرانہ روش کا سب سے نمایاں بند پیش کیا جاتا ہے:

ہاں وہ حباب جس کی مخالف ہوا بھی ہو موجوں کے جو فشارِ بلا میں گھرا بھی ہو
کاٹی ہو جس نے عمر تھپیڑوں کے درمیاں جو بحر کے جلال سے خود آشنا بھی ہو
گرچہ جلالِ بحر تُلا ہو بگاڑ پر
خیمہ کرے وہ نصب تلاطم کی باڑ پر

اس بند میں معراجِ شعر ملاحظہ ہو کہ کس طرح تخلیق کار نے اردو ادب کی ایک مستقل روایت سے اپنے ذاتی طرزِ تفکّر اور انفرادی روشِ تخلیق کے باعث ایک بالکل نئے اور اوریجنل مضمون کی تخلیق سے حباب ایسی ناقابلِ اعتنا اور بے حیثیت سمجھی جانے والی شے یہاں ایک سورما کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ اگر دقت کی جائے اسی مقام پر ہلال صاحب جدید مرثیے سے ابھرنے والے انسان کے کردار کو بھی واضح کر رہے ہیں جو کہ کلاسیکی غزل اور مرثیے کے بالعموم تقدیر اور حالات کے مارے ہوئے انسان کے برعکس، اختیاری طور پر خود کو بحرِ حوادث میں ڈال دیتا ہے کہ جس کے باعث اس کی آزمائشیں اور ابتلا و عار خود اس کا حُسنِ اختیار ثابت ہو کر اس کے کردار کی عظمت کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔

گرچہ جلالِ بحر تُلا ہو بگاڑ پر
خیمہ کرے وہ نصب تلاطم کی باڑ پر

یہ اور اس طرح کے دیگر مقامات ثابت کرتے ہیں کہ ''الحمد'' صرف عقیدے پر مبنی شاعری نہیں بلکہ ایک بھرپور تخلیقی مظہر ہے کہ جو غیر متوقع تحیّر اور لطف سے معمور ہے اور اس طرح یہ ایک مذہبی سے زیادہ عمومی طور پر شعر آشنا طبقے کو اپیل کرنے والی نظم ہے۔

ہلال صاحب نے مرثیے کا آغاز جس نہج پر کیا تھا اسی پر کربلا کی طرف گریز کرتے ہوئے، پہلے سے کہیں زیادہ، عنوان کے زیرِ سایہ، قوّتِ تخلیق اور جوہرِ تہذیب و ترتیب کا اظہار فرماتے ہیں۔ یہ حصہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے تفسیر، فلسفہ اور حتّٰی کہ محض شاعری سے بھی بالکل

مختلف ہے۔ وہ اس طرح کہ سورۂ حمد کی جو عملی اور براہِ راست تفسیر اس حصے میں عقیلۂ بنی ہاشم کے کردار و گفتار سے عیاں ہوتی ہے وہ موجودہ تفسیرِ کتبی سے بہت ہی ارفع نظر آتی ہے اور وہ نہ صرف تفسیرِ مکتبی کے لیے دعوتِ فکر ہے بلکہ خود فلسفہ اس مقام پر موجود ہو کر بھی ایک طرح سے محو دکھائی دیتا ہے اور شعرا اپنے پیرائے میں رہتے ہوئے بھی، اس مقام پر، ایک برتر تنزیہہ حاصل کر لیتا ہے اور واقعات کے قرائن سے اس خالص رثائی حصّے کے مضامین کے مبنی بر ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔

اب ہے نیابتِ عملِ خُوب اک طرف غالب ہے جن پہ ظلم وہ مغلوب اک طرف
ان سب کو روبرو سر دربار دیکھنا محبوب اک طرف ہیں تو مغضوب اک طرف

ہے جو یزید کرسی و مسند لیے ہوئے
زینب کھڑی ہیں حقِ محمّد لیے ہوئے

دربارِ شام کے منظر کو سورہ الحمد کے آئینے میں دکھانا اس مرثیے کی، تاریخ اور مکتبی خطابت پر فوقیت کی اور مرثیہ نگار کی اپنے عزم کے مطابق مواد کی تخلیق کی کامیابی کی دلیل ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے کہ جس کے لیے شاعر نے اعلان کیا تھا:

جانا ہے ماورائے نگہ بھی نگاہ کو

مرثیے کے اس حصّے سے ایک بند بطورِ خاص پیش کیا جانا چاہیئے کہ جس میں سانحہ کے ساتھ جمال نے ایک غیر متوقع لطف پیدا کیا ہے کہ جس کا تجربہ شعر کے اختصاصات میں سے ہے۔

کرسی نشیں ہیں حافظِ قرآں محدّثین اور ان کے ساتھ شہر کے جملہ معزّزین
تھے بیشتر سیاستِ شاہی سے بے خبر زینب کے اس خطاب سے چونکے اکابرین

جو تھے پسِ غبار وہ چہرے دکھا دیے
اک بے ردا نے ذہنوں سے پردے ہٹا دیے

اگر ذہن میں رہے کہ تفسیر کا ایک معنی پردہ ہٹانا بھی ہے تو اس مقام پر جنابِ زینبؑ کا بے ردا ہو کر عملی تفسیر کا مظاہرہ یعنی ذہنوں سے پردوں کا ہٹانا ایک غیر متوقع تحیّر رکھتا ہے۔ اور یہ تحیّر اس وقت ایک نیا رُخ اپنا لیتا ہے جب یہ احساس ہوتا ہے کہ مرثیے کے اس کردار کی بدولت ہم عام تفسیری، فلسفی اور شعری مباحث سے نکل کر ایک تفسیرِ مشخّص، مصحفِ مجسّم اور شعورِ متکلّم کی بارگاہ میں پہنچ چکے ہیں کہ جہاں نظم کا یہ عالم ہے:

الہام کو کمال کیا ہے خیال نے

ارسطو کے نزدیک جمال مواد کے حجم اور ترتیب سے متعلق ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم کہ سکتے مذکورہ عوامل سے حاصل ہونے والا تناسب جمال کا مقدمہ ہوا کرتا ہے۔ اس معیار کو سامنے رکھتے ہوئے اور ابتدا ہی میں قائم کئے گئے مقدّمہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سورۂ الحمد ایسے موضوع کے باوجود ہلال صاحب نے فقط تفسیری نکات سے ہی اس نظم کو معمور نہیں ہونے دیا بلکہ وہ اپنے خاص طرزِ تفکّر، مزاجِ تخلیق اور ذاتی مطالعہ کے باعث اس طویل مرثیے میں تخلیق، تہذیب اور ترتیب کا ایک خاص تناسب قائم کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں کہ جس سے یہ مرثیہ فکر اور جمال دونوں کا آئینہ دار ہے۔

❁❁❁❁

غیر مطبوعہ مرثیہ بہ عنوان سفر

ڈاکٹر وفا نقوی

تعدادِ بند۔۔۔۲۲۶

سفر وسیلہ ظفر کا ہے سنتے آئے ہیں
سفر کے واسطے رب نے قدم بنائے ہیں
سفر کے سائے میں راحت کے سارے سائے ہیں
سفر کے دم سے ہی انسان مسکرائے ہیں
سفر کے بعد سکوں کا شعور ہوتا ہے
سفر کے بعد بشر غم سے دور ہوتا ہے
(۱)

سفر کے دستِ مشقت میں زندگی روشن
سفر دلیلِ سحر، آگہی کا اک مسکن
سفر شعارِ خودی ہے سفر نفس کی رسن
سفر کمالِ جوانی سفر بدن کا سخن
سفر کے ساتھ رگِ تارِ جاں چمکتا ہے
سفر کا نام ترقی جہاں نے رکھا ہے
(۲)

سفر نہ ہو تو مکاں میں بھی اک قیامت ہے
سفر نہ ہو تو گزرنا بھی ایک لعنت ہے
سفر نہ ہو تو سکونت بھی اک خجالت ہے
سفر نہ ہو تو مقید بشر کی راحت ہے
سفر کے ساتھ دھڑکتا ہے دل ترقی کا
سفر کے ساتھ مہکتا ہے پھول ہستی کا
(۳)

سفر ہوا نے کیا خوشبوؤں کے سائے میں
سفر کلی نے کیا پھول کے کنائے میں
سفر تو وقت بھی کرتا ہے اس سرائے میں
سفر سفر ہے سفر کہکشاں کے پائے میں
سفر پرندے بھی کرتے سدا سے آئے ہیں
سفر سے حوصلے شمس و قمر نے پائے ہیں
(۴)

سفر بشر کا مقدر سفر حیات کا راز
سفر لہو کی روانی سفر نفوس کا ساز
سفر دلوں کی ہے دھڑکن سفر ہے روح گداز
سفر ہے خود ہی حقیقت سفر ہے خود ہی مجاز
سفر ہے اہلِ تصوف کا کاسۂ خالی
سفر دلوں کی قناعت خرد کی پامالی
(۵)

سفر دعاؤں کا لہجہ سفر قبولِ مراد سفر نماز تعشق سفر ہی ہے اوراد
سفر میں ہوتا ہے انسان اصل میں آباد (۶) سفر ہی موجِ جنوں ہے سفر ہی ہے استاد
سفر میں نشۂ وحدت کے راز کھلتے ہیں
سفر کے زیرِ قدم آگہی کے نقشے ہیں

سفر میں رقص کناں زندگی کے شعلے ہیں سفر میں چاک گریباں لہو کے ذرّے ہیں
سفر میں فکر کے پیکر نظر کے نغمے ہیں (۷) سفر میں حسن کے تیور وفا کے قصے ہیں
سفر زبان و ادب نے بھی بار بار کیا
سفر قلم پہ جو چھایا تو انتشار کیا

سفر عکاز کے میلے کو ہند میں لایا سفر تمدنِ ایران کا ہے سرمایا
سفر ہی ریختہ گوئی میں آکے اترایا (۸) سفر ہی بن کے غزل پھول جیسا مسکایا
سفر قصیدۂ دل ہے سفر رثائی ادب
سفر سلام میں اترا تو ڈھا رہا ہے غضب

سفر ہی خسروؔ کا لہجہ سفر قطبؔ کی زبان سفر ولیؔ کا تغزل سراجؔ کی پہچان
سفر ہے میرؔ کی بیتی سفر ظفرؔ کی ہے جان (۹) سفر ہے غالبؔ و مومنؔ کی آگہی کا نشان
سفر نے مرزا دبیرؔ و انیسؔ ڈھالے ہیں
سفر نے گود میں کتنے ہی جوشؔ پالے ہیں

جہاں میں جو ہے ترقی سفر سے قائم ہے سفر کیا تو غموں میں خوشی کا عالم ہے
سفر کیا تو مقدر کا کس کو ماتم ہے (۱۰) سفر کیا تو کھلا آسماں کا پرچم ہے
سفر کے فیض سے انسان چاند پر پہنچا
سفر کیا تو ستارے بھی توڑ کر لایا

سفر کا ناز اٹھاتے ہیں پاؤں کے چھالے سفر کا حسن بڑھاتے ہیں راستے والے
سفر کا جوش کوئی کیسے لفظ میں ڈھالے (۱۱) سفر کا رنگ سمجھتے ہیں ضرب کے پالے
سفر کو کہتے ہیں ہجرت بڑے سلیقے سے
کسی کسی نے کیا ہے سفر قرینے سے

جہاں میں آئی ہیں ہجرت کی سینکڑوں صورت فلک سمجھتا ہے ہجرت کی عظمت و رفعت
زمیں سمجھتی ہے ہجرت کی رونق و رغبت (۱۲) نصیب جانتا ہے ہجرتوں کی ہر قیمت
قدم قدم پہ بشر نے سفر کو تھاما ہے
خدا کی ساری زمیں کو ہی اپنا مانا ہے

خدا وہ جس نے بنایا بشر کے پتلے کو خدا وہ جس نے سجایا جناں کے ماتھے کو
خدا وہ جس نے بڑھایا زمیں کے رتبے کو (۱۳) خدا وہ حکم دیا جس نے ایک سجدے کو
ازل کے روز شرابِ الست پلوائی
سب اس کے اپنے تھے نکلا بس ایک ہر جائی

شعور اس کا ہویدہ ہے سارے عالم پر وہ بے وقوف، غبی تھا، کہ بن گیا خود سر
وہ اپنے آپ کو سمجھا تھا خاک سے بہتر (۱۴) اب اس کو مار رہے ہیں منیٰ میں سب کنکر
خدا نے اس کو نکالا ہر ایک جنت سے
وہ بھاگتا ہے بشر سے بس ایک لعنت سے

وہ آدمی کا ہے دشمن کھلا ہوا بے شک نہ جانے کتنے جہنم میں لے گیا اب تک
بشر کے دل پہ وہ کرتا ہے دم بہ دم ٹھک ٹھک (۱۵) سنا ہے کان میں کرتا ہے ہر گھڑی بک بک
سنا ہے اس کے سبب سے نہ رہ سکی جنت
ابو البشر کو ملی ہے زمین پر عزت

ابو البشر ہیں خطا کار کون کہتا ہے خدا نے ان کو زمیں پر ادب سے بھیجا ہے
زمیں کو ان کے سفر کے لئے بنایا ہے (۱۶) زمیں تو ان کی ہی مٹی کا ایک خیمہ ہے
ابو البشر کو بنایا گیا تھا جس کے لئے
تمام عمر اسی پر وہ فخر سے ہیں رہے

ملا ثبوت سفر ہی رضائے داور ہے ملا ثبوت بشر اس سے بخت آور ہے
سفر ہی اصل ترقی کا ایک یاور ہے (۱۷) سفر نہیں ہے تو انسان بد سے بدتر ہے
مگر سفر وہ سفر جس سے فیض حاصل ہو
مگر سفر وہ سفر جس پہ دل بھی مائل ہو

سفر کچھ ایسے بھی گزرے ہیں ہر زمانے میں وہ جن کا رنگ ہے ملتا ہر اک فسانے میں
وہ جن سے درد ہے شعراء کے کارخانے میں (۱۸) وہ جن کا عکس ہے رونے میں اور رلانے میں
سفر کی لمبی اذیت بھی یاد رہتی ہے
سفر کے بعد نظر اضطراب سہتی ہے

زمیں نے پالے ہیں دامن میں سینکڑوں اسفار وہ کیکئی کا ستم رام جی کی وہ یلغار
وہ بانسری کی صدائیں وہ کنس پر پھٹکار (۱۹) ہریش چندر کے وعدے میں بھی وہی ضوبار
سفر جو ہو تو بھرت بھی وجود پاتا ہے
سفر نہ ہو تو بشر حق کو بھول جاتا ہے

سفر عزیز کو رب کا عزیز رکھتا ہے سفر خلیل کا رب کی عطا کا ہالا ہے
(۲۰)
سفر کلیم کا علم و ادب کا سایہ ہے سفر رسول کا طیبہ کو جاں سے پیارا ہے
سفر کے بعد مدینے میں نور پہنچا ہے
سفر نہیں ہے اجالا ہے اک سویرا ہے

سفر رسول کا تاریخ میں مثالی ہے سفر رسول کا ہجرت کے رخ کی لالی ہے
(۲۱)
سفر رسول کا نورانی اور جمالی ہے سفر رسول کا منصب میں اب بھی عالی ہے
سفر رسول نہ کرتے تو اور منظر تھا
خدا سمجھتا ہے کیا دین کا مقدر تھا

رسولؐ کون جنھوں نے خدا کی لاج رکھی رسولؐ کون جنھوں نے کتابِ خاص بھی دی
(۲۲)
رسولؐ کون جنھوں نے ستم کی بات نہ کی رسولؐ کون محبت ہی جس کی ذات ہوئی
خدا نے رحمتِ عالم بنا کے بھیجا تھا
نہ ہو کے سایہ بھی جن کا سبھی پہ سایہ تھا

جو دشمنوں سے بھی الفت کی بات کرتے تھے امین تھے وہ صداقت کی بات کرتے تھے
(۲۳)
جو کافروں میں بھی وحدت کی بات کرتے تھے جو لشکروں میں بھی حرمت کی بات کرتے تھے
پلے تھے گود میں عمران کی محبت سے
ٹلے نہ حق سے جو ہرگز کسی بھی قیمت سے

مگر یہ ظلم کہ سمجھا نہ ان کو لوگوں نے مگر یہ ظلم کہ جانا نہ ان کو لوگوں نے
(۲۴)
مگر یہ ظلم کہ سوچا نہ ان کو لوگوں نے مگر یہ ظلم کہ رکھا نہ ان کو لوگوں نے
مگر یہ ظلم کہ مکہ سے ان کی ہجرت تھی
خدا کی اس میں مگر کچھ نہ کچھ تو حکمت تھی

سلا کے اپنے وصی کو وہ اپنے بستر پر رہِ سفر پہ روانہ ہوئے شہِ انور
(۲۵)
لعین گھیرے ہوئے تھے مکانِ پیغمبر نظر لگا نہ سکے ماہ کو ذلیل نظر
حرا کے نور کا پرتو تھا ثور کے اندر
تلاش کرتے رہے ان کو شرک کے پیکر

سفر کے بعد مدینے میں نور آیا تھا مدینہ تاب خوشی کی نہ اپنی لایا تھا
(۲۶)
مدینہ نور ازل کی نظر میں چھایا تھا مدینہ حق و صداقت کا ایک پایا تھا
حضورِ شاہِ صداقت میں آگئے انصار
بڑے ادب سے کیا اپنے عشق کا اظہار

مہاجروں کو گلے سے لگا کے روتے تھے
خوشی کے اشک سے دونوں جہان بھیگے تھے (۲۷)
وہ روتے کب تھے خوشی کے نظر میں جلوے تھے
بڑے خلوص سے ایک دوسرے میں ڈوبے تھے
جو آفتابِ رسالت کی ضو میں غلطاں تھے
فقط نظر سے نہیں دل سے بھی مسلماں تھے

سفر رسولؐ کی صورت میں تھا یہ ایماں کا
سفر رسولؐ کی صورت میں تھا یہ فاراں کا (۲۸)
سفر رسولؐ کی صورت میں تھا یہ قرآں کا
سفر رسولؐ کی صورت میں تھا یہ وجداں کا
سفر رسولؐ کا کعبے کی بات کرتا تھا
سفر رسولؐ کا زم زم کا نام لیوا تھا

سفر رسولؐ کا شرک و فساد کا دشمن
سفر رسولؐ کا خلق و خلوص کا مسکن (۲۹)
سفر رسولؐ کا کفر و جہول کا مدفن
سفر رسولؐ کا امن و امان کا درپن
سفر رسولؐ کا ڈرتا ہے کب اندھیروں سے
سفر رسولؐ کا پوچھیں گے عرش والوں سے

وہ عرش جس پہ خدا کی بڑی جلالت ہے
وہ عرش جس پہ بسائی خدا نے جنت ہے (۳۰)
وہ عرش جس پہ فرشتوں کی بھی ریاضت ہے
وہ عرش طوبیٰ ہے جس پر جہاں پہ رحمت ہے
وہ عرش جس پہ حبیبِ خدا نے پاؤں رکھے
وہ عرش جس پہ پرِ جبرئیلؑ بھی نہ بچے

وہ عرش جس پہ ہے نعلینِ مصطفیٰؐ کا سفر
وہ عرش جس پہ ہے قوسین کی کماں کی سپر (۳۱)
وہ عرش جس پہ ہے انوارِ کبریا کا اثر
وہ عرش جس پہ ہے پردے میں ھل اتیٰ کا ثمر
وہ عرش جس پہ خدا خود کلام کرتا ہے
نکل کے ہاتھ نبیؐ کو سلام کرتا ہے

سلام اس پہ جو قربِ خدا کا مظہر ہے
سلام اس پہ جو ہر اک نبی سے بڑھ کر ہے (۳۲)
سلام اس پہ جو دنیا میں سب سے برتر ہے
سلام اس پہ جو دونوں جہاں کا محور ہے
سلام ایسے نبی پر جو شافعِ محشر
سلام ایسے نبیؐ پر جو ساقیٔ کوثر

سلام اس پہ خدا کے ہر ایک بندے کا
سلام اس پہ ہے غلمان کا فرشتے کا (۳۳)
سلام اس پہ رسولوں کے ہر قبیلے کا
سلام اس پہ ہے حوروں کے پاک غمزے کا
سلام اس پہ ہے شاہوں کی کج کلاہی کا
سلام اس پہ فقیروں کی بادشاہی کا

سلام اس پہ جو سب سے عظیم کہلایا سلام اس پہ جو شانِ قدیم کہلایا
(۳۴)
سلام اس پہ جو دُرِ یتیم کہلایا سلام اس پہ جو دنیا میں میم کہلایا
سلام اس پہ جسے شاہِ مشرقین کہیں
سلام اس پہ جسے رب کا نورِ عین کہیں

سلام اس کی عطاؤں کو بے شمار سلام سلام اس کی نواؤں کو بے شمار سلام
(۳۵)
سلام اس کی وفاؤں کو بے شمار سلام سلام اس کی اداؤں کو بے شمار سلام
سلام اس پہ جو خلقِ عظیم کا حامل
سلام اس پہ جو دونوں جہان کا حاصل

سلام اس پہ جو حکمت کا باب لایا تھا سلام اس پہ جو قرآن کا خلاصہ تھا
(۳۶)
سلام اس پہ جو کعبے کا ایک کعبہ تھا سلام اس پہ جو دینِ مبیں کا رستہ تھا
سلام اس پہ درود و سلام اس پہ سلام
سلام اس پہ کہیں جس کو انبیاء بھی امام

سلام اس کے ہر ایک پھول ہر گلستاں کو سلام اس کے ہر اک بیت ہر بیاباں کو
(۳۷)
سلام اس کے در و بام کے گریباں کو سلام اس کی ہر اک شمعِ دل فروزاں کو
سلام اس پہ قدم جس کا آفتاب ہوا
سلام اس پہ کہ رخ جس کا لاجواب ہوا

سلام اس پہ سخن جس کا بے مثال بنا سلام اس پہ عمل جس کا کامیاب ہوا
(۳۸)
سلام اس پہ جو پیغامِ رب کے ساتھ جیا سلام اس پہ جو قانونِ کائنات رہا
سلام اس کی حدیثوں کو اس کی سیرت کو
سلام اس کی مودت کو اس کی صورت کو

سلام اس پہ جو زہراؑ کا بابا جان ہوا سلام اس پہ جو حیدرؑ کا پاسبان ہوا
(۳۹)
سلام اس پہ جو حسنینؑ کی زبان ہوا سلام اس پہ جو عزت کا آسمان ہوا
سلام روزِ قیامت تک اس کی عترت پر
سلام اس کے ہر اک حرف ہر عبارت پر

سلام اس کے رخِ اصطفیٰ کو دل سے سلام سلام اس کی نظر کی حیا کو دل سے سلام
(۴۰)
سلام اس کے دلِ دلربا کو دل سے سلام سلام اس کے قدومِ وفا کو دل سے سلام
سلام اس کی عبا کے ہر ایک تانے کو
سلام اس کی قبا کے ہر ایک بانے کو

سلام دخترِ احمدؐ کو سینکڑوں ہوں سلام سلام اس پہ، کیا جس کو خود نبیؐ نے سلام
سلام جس کے گھرانے میں ہیں تمام امام (۴۱) سلام جس کی فضیلت ہے انما کا قیام
سلام جس نے مشقت میں عمر کاٹی تھی
سلام جس کی ہتھیلی سے لپٹی چکی تھی

سلام اس کی ردا پر جو آسمان مثال سلام اس کی ردا پر جو آیتوں کا جمال
سلام اس کی ردا پر جو کہکشاں کا خیال (۴۲) سلام اس کی ردا پر جو رحمتوں کا وصال
سلام ایسی ردا پر جو نور بار ہوئی
سلام ایسی ردا پر جو گل کا ہار ہوئی

سلام اس پہ جو مشکل کشائی کرتا تھا سلام اس پہ جو رن میں صفائی کرتا تھا
سلام اس پہ جو سب کی بھلائی کرتا تھا (۴۳) سلام اس پہ جو بندہ خدائی کرتا تھا
سلام حیدرِ کرار کو سلام سلام
سلام ضبط کی تلوار کو سلام سلام

سلام اس پہ جو ٹھوکر میں تاج رکھتا تھا سلام اس پہ جو رب کا مزاج رکھتا تھا
سلام اس پہ جو در پر سماج رکھتا تھا (۴۴) سلام اس پہ جو غم کا علاج رکھتا تھا
سلام اس پہ جو حلالِ مشکلات ہوا
سلام اس پہ جو مقصودِ شش جہات ہوا

سلام اس پہ جو راتوں کو بوجھ ڈھوتا تھا سلام اس پہ جو غربت کے ساتھ سوتا تھا
سلام اس پہ جو پتھر میں پھول بوتا تھا (۴۵) سلام اس پہ جو الفت کا فخر ہوتا تھا
سلام اس کی سخاوت کو حشر تک ہو سلام
سلام اس پہ کہ جس کو کہے زمانہ امام

سلام اس پہ وصیٔ رسولؐ جس کو کہیں سلام اس پہ امامت کا پھول جس کو کہیں
سلام اس پہ سفیرِ عقول جس کو کہیں (۴۶) سلام اس پہ قبول و حصول جس کو کہیں
سلام اس کی خلافت پہ بھی ہزار سلام
سلام اس کی امامت پہ بھی ہزار سلام

سلام اس پہ، حسنؑ جو شبیہِ سرورؐ تھا سلام اس پہ جو امن و اماں کا پیکر تھا
سلام اس پہ جو غربت میں بھی تونگر تھا (۴۷) سلام اس پہ جو تنہا تھا پھر بھی لشکر تھا
سلام اس پہ جو حکمت کا تاجدار ہوا
مقابلے میں جو اس کے تھا نابکار ہوا

سلام اس پہ جو لوح و قلم کا حاکم تھا سلام اس پہ جو شرطِ ادب کا راقم تھا
(۴۸)
سلام اس پہ جو عشق و وفا کا ناظم تھا سلام اس پہ جو صبر و رضا کا عالم تھا
سلام اس پہ جسے زہر سے شہید کیا
سلام اس پہ کفن جس کا خون خون ہوا

سلام اس پہ جسے قربِ مصطفیٰؐ نہ ملا سلام اس پہ جو احمدؐ سے دور دفن ہوا
(۴۹)
سلام اس پہ جسے صلح کا کہیں آقا سلام اس پہ جسے ضبط کا کہیں سایا
سلام اس پہ جسے دوسرا امام کہیں
سلام اس پہ جسے انبیاء سلام کہیں

سلام اس پہ جو احمدؐ کو جان سے پیارا سلام اس پہ جو اسلام کا ہوا یارا
(۵۰)
سلام اس پہ جو قرآن کا ہوا پارا سلام اس پہ جو اسلام پر گیا وارا
سلام اس پہ جو آقا حسینؑ کہلایا
سلام اس پہ جو زہراؑ کا چین کہلایا

سلام اس پہ گلا جس کا چومتے تھے رسولؐ سلام اس پہ جسے روح جانتی تھیں بتولؑ
(۵۱)
سلام اس پہ کیا جس نے کربلا کو قبول سلام اس پہ جو آفات سے ہوا نہ ملول
سلام اس پہ جو ایقانِ صبر و عزت تھا
سلام اس پہ جو ہر دور کی ضرورت تھا

سلام اس کے سفر کو بھی سینکڑوں ہوں سلام سفر بھی ایسا سفر جس کا نام نام ہی نام
(۵۲)
سفر بھی ایسا سفر جس کا ہر شجر ہے خرام سفر بھی ایسا سفر جس کا اہتمام مدام
سفر بھی ایسا سفر جو ہے آج تک جاری
اسی کے فیض سے دنیا میں ہے عملداری

سفر بھی ایسا سفر جو ہے کائنات کی جان سفر بھی ایسا سفر جو ہدایتوں کا نشان
(۵۳)
سفر بھی ایسا سفر جس سے وقت بھی حیران سفر بھی ایسا سفر جو ہے عظمتوں کی امان
سفر حسینؑ نہ کرتے یہ کیسے ممکن تھا
حسینؑ گھر میں ہی رہتے یہ کیسے ممکن تھا

کہا یزید نے بیعت کریں حسینؑ مری کہا یزید نے عزت کریں حسینؑ مری
(۵۴)
کہا یزید نے شہرت کریں حسینؑ مری کہا یزید نے مدحت کریں حسینؑ مری
کہا حسینؑ نے لعنت یزیدِ اظلم پر
نجاستوں کے سمندر پہ رجسِ عالم پر

کہا حسینؑ نے اس سے سوالِ بیعت ہے جو خود نبی کے گھرانے کی ایک عظمت ہے
سراپا نورِ ہدایت ہے اور عزت ہے (۵۵) وہ جس کو احمدِ مرسلؐ سے دل سے الفت ہے
وہ کیسے کفر کے ہاتھوں پہ سر رکھے اپنا
یزیدِ شام سے کہہ دو فضول ہے سپنا

میں آفتابِ شریعت ہوں اس زمانے میں رسولِ پاک کی عزت ہوں اس زمانے میں
کتابِ حق کی بھی عظمت ہوں اس زمانے میں (۵۶) حقیقی دین کی دولت ہوں اس زمانے میں
مرے ہی فیض سے اسلام مسکراتا ہے
مرا عمل ہی رہِ کبریا دکھاتا ہے

جو میرے ساتھ ہے وہ ہی نجات پائے گا ہٹا جو مجھ سے جہنم میں وہ ہی جائے گا
یزید میری حقیقت کو کیا مٹائے گا (۵۷) جو مجھ سے جنگ کرے گا تو منہ کی کھائے گا
مری رگوں میں لہو فاتحِ حنین کا ہے
ستم کی ذات پہ اب وار اس حسینؑ کا ہے

سفر حسینؑ کو کرنا پڑا مدینے سے کہ جیسے دور انگوٹھی ہوئی نگینے سے
کہ جیسے دور ہوا ہو کوئی سفینے سے (۵۸) کوئی گیا ہی نہیں گھر سے اس قرینے سے
حسینؑ جاتے تھے رخصت کو لوگ آتے تھے
گلے لگاتے تھے مولا کو خوں بہاتے تھے

کوئی یہ کہتا تھا مولا سفر سے دور رہیں یہیں مدینے میں خاموش رہ کے آپ جئیں
بلا کی دھوپ ہے مولا نہ گھر سے اب نکلیں (۵۹) کوئی شجر بھی نہیں راستے میں یہ دیکھیں
کہا حسینؑ نے اب انقلاب لانا ہے
مدینہ چھوڑ کے کرب و بلا بسانا ہے

میں جانتا ہوں سفر کے ہیں یہ کہاں ایام میں جانتا ہوں کہ ہوتا ہے کیا سفر کا نظام
میں جانتا ہوں سکوں کا کہاں سفر میں مقام (۶۰) میں جانتا ہوں مگر گھر میں آج رکنا حرام
نکل کے امتِ جد کو سنبھالنا ہے مجھے
اندھیری رات سے سورج نکالنا ہے مجھے

مرے سفر کو زمانہ بھی یاد رکھے گا مرے سفر کی کہانی کو کون بھولے گا
مرے سفر کی اذیت کو جو بھی سوچے گا (۶۱) مرے سفر کے مناظر میں وہ ہی ڈوبے گا
مرے سفر میں خدا کا چراغ روشن ہے
مرے سفر میں اجالوں کا ایک خرمن ہے

لکھا ہوا ہے یہ تاریخ میں حسینؑ چلے کہ گھر کو چھوڑ کے اپنے نبی کے چین چلے
زمین کہنے لگی شاہِ مشرقین چلے (۶۲) فلک پکارا کہ زہراؑ کے نورِ عین چلے
کہا غبار نے جاتے ہیں شان سے شبیرؑ
یہ بولے راستے آتے ہیں ابنِ خیبر گیر

کہا ہواؤں نے شاہِ زمان جاتے ہیں کہا فضاؤں نے حق کی زبان جاتے ہیں
کہا گھٹاؤں نے رحمت کی شان جاتے ہیں (۶۳) کہا دعاؤں نے اب سائبان جاتے ہیں
حسینؑ تنہا نہیں تھے سفر کے منظر پر
بہن بھی ساتھ چلی اس جہادِ اکبر پر

بہن بھی ایسی بہن جو تھی ثانیٔ زہراؑ بہن بھی ایسی بہن جس کا نام زینبؑ تھا
بہن بھی ایسی بہن جو تھی بھائی کا سایا (۶۴) بہن بھی ایسی بہن جس کا ایک تھا نوحہ
ذرا سی دیر میں کیا ہوگیا ہے امت کو
نبیؐ کے بعد ستایا گیا ہے عترت کو

بہن وہ جس کو امامت سلام کرتی ہے خدا کی شانِ جلالت سلام کرتی ہے
رسولِ پاک کی عظمت سلام کرتی ہے (۶۵) جنابِ زہراؑ کی عصمت سلام کرتی ہے
وہ جس نے دین کا سکہّ جما دیا وہ بہن
وہ جس نے کرب و بلا کو بچا لیا وہ بہن

بنی وہ دین کی راہوں میں بھائی کا سایہ وہ کیسے دیکھتی تنہا سفر میں ماں جایا
اسے سکون کبھی بھائی کے بنا آیا؟ (۶۶) شہِ زمن کے سفر میں تھا اس کا سرمایہ
وہ لیکے دونوں پسر اپنے ساتھ ساتھ چلی
وہ کربلا میں شہادت کی انجمن میں رہی

اس اہتمام سے نکلی بتولؑ کی ثانی قدم کو چومنے آئی حیا کی سلطانی
عماریوں پہ ردائوں کی تھی نگہ بانی (۶۷) گھری تھی نور کے حلقے میں نور کی رانی
پکارتی تھیں یہ حوریں نگاہ نیچے رہے
کہ اس سے آگے خبر دار! کوئی بھی نہ چلے

فلک بھی اپنی جبیں کو جھکا کے ساتھ چلا قمر بھی گوشۂ تنہائی میں کہیں تھا چھپا
ستارے کرتے تھے پردے کا چار سو چرچا (۶۸) نہ آفتاب ہی نکلا یہ رعب تھا کیسا
وہ دن تھا؟ رات تھی؟ کیا تھا؟ خدا ہی جانتا ہے
زمیں بچھائی تھی پلکیں ہر ایک مانتا ہے

سفر میں ساتھ تھے عباسؑ سے دلاور بھی رضا حسینؑ کی اور مرتضیٰؑ کے تیور بھی
فقیہِ عصر بھی صبر و وفا کے پیکر بھی (۶۹) محاذِ جنگ نے جن کو کہا غضنفر بھی
شجاعتوں کے کمالات جن پہ ناز کریں
جو بڑھ کے موت کے ماتھے پہ زندگی لکھ دیں

جنھیں علیؑ نے دعاؤں میں رب سے مانگا تھا جنھیں حسینؑ نے اپنا معین مانا تھا
جنھوں نے سایۂ حق الیقین پایا تھا (۷۰) جنھوں نے پرچمِ صبر و شکیب تھاما تھا
اطاعتوں کے بھروسے کا نام ہے عباسؑ
پیمبروں کے طریقے کا نام ہے عباسؑ

لقب ہے بابِ حوائج عطا بھی خادم ہے وفا کا ذکر کریں تو وفا بھی خادم ہے
قلم اٹھائیں تو ان کی ثنا بھی خادم ہے (۷۱) ہر ایک حرف کی ذاتِ ولا بھی خادم ہے
حسینؑ کرتے ہیں تعریف ان کے وصفوں کو
وفا کی ناز و ادا کی لبوں کی لفظوں کی

سفر میں شاہِ زمن کے ہیں ساتھ اکبرؑ بھی وقارِ حضرت یوسفؑ شبیہِ سرورؑ بھی
غرورِ حسن و جمال و جلال و تیور بھی (۷۲) نگاہِ حضرتِ شبیرؑ ماہِ انور بھی
اذانِ حق کی صداؤں میں نام اکبرؑ کا
صلاۃ و صوم کے دل میں قیام اکبرؑ کا

سفر میں ساتھ ہیں اصغرؑ بھی گود کے پالے گلے سے جن کو لگاتے ہیں چاہنے والے
وہ مسکرائیں تو ہنستے ہیں باغ میں لالے (۷۳) رباب جن پہ محبت سے ہیں ردا ڈالے
بہارِ شاہِ زمن کا وقار اصغرؑ ہیں
ہر اک بہار کی اصلی بہار اصغرؑ ہیں

سفر پہ قاسمؑ ابنِ حسنؑ بھی جاتے ہیں (۷۴) چچا حسینؑ کے خادم ہیں یہ بتاتے ہیں
سخن خوشی سے یہ اپنے لبوں پہ لاتے ہیں جو حق پہ ہوتے ہیں کس سے وہ خوف کھاتے ہیں
غسل ہے موت رہِ حق کے ہر مسافر کو
فنا سے لگتا ہے ڈر صرف ایک کافر کو

غرض حسینؑ کا کنبہ ہے جاں نثارِ حسینؑ غرض حسینؑ کا کنبہ ہے دلفگارِ حسینؑ
غرض حسینؑ کا کنبہ ہے دوستدارِ حسینؑ (۷۵) غرض حسینؑ کا کنبہ ہے افتخارِ حسینؑ
اس ایک کنبے پہ نازاں ہیں کائنات کی ذات
اس ایک کنبے نے گرنے نہ دی امام کی بات

یہ ایسا کنبہ ہے غلمان ہیں فدا جس پر یہ ایسا کنبہ ہے انسان ہیں فدا جس پر
(۷۶)
یہ ایسا کنبہ ہے قرآن ہے فدا جس پ یہ ایسا کنبہ ہے ایمان ہے فدا جس پر
اس ایک کنبے میں پایا مزاجِ ایمانی
اس ایک کنبے میں دیکھا شعورِ یزدانی

اس ایک کنبے نے رستوں کو نور بخشا ہے اس ایک کنبے کے قدموں میں ساری دنیا ہے
(۷۷)
اس ایک کنبے کے خیموں میں نور چھایا ہے اس ایک کنبے کی آنکھوں میں عشق پلتا ہے
اس ایک کنبے سے امن و امان باقی ہے
یہ ایک کنبہ محبت کی راجدھانی ہے

اس ایک کنبے میں صغرؑا سی ایک مضطر ہے حسینؑ ابنِ علیؑ کی عزیز دختر ہے
(۷۸)
بہن سکینہؑ کی یہ ہے تو بھائی اصغرؑ ہے کلیجہ اس کا ہے زخمی جگر میں خنجر ہے
حسینؑ جاتے ہیں لیکن سفر سے دور ہے یہ
یہ مصلحت ہے کہ اپنے ہی گھر سے دور ہے یہ

اداسیوں کو مقدر بنائے بیٹھی ہے خموشیوں کو لبوں پر سجائے بیٹھی ہے
(۷۹)
فسردگی کے نشیمن میں آئے بیٹھی ہے لہو بھی آنکھ سے اپنی بہائے بیٹھی ہے
قلق ہے یہ کہ حسینِ غریب جاتے ہیں
بچھڑنے والے کہیں پھر سے ملنے آتے ہیں؟

کہا حسینؑ نے بیٹی سے کیا ہوا بیٹی اداس کس لئے بیٹھی ہو مہ لقا بیٹی
(۸۰)
بیان ہم سے کرو دل کا مدعا بیٹی خیال ماں کی اداسی کا ہو ذرا بیٹی
تمہارے حال پہ روتی ہے غم کی ماری ہے
تمہاری ماں کا مقدر بھی بیقراری ہے

کہا یہ بیٹی نے بابا یہ کوئی بات ہوئی حصول مجھ کو مصائب کی کائنات ہوئی
(۸۱)
مرے نصیب میں پیہم غموں کی رات ہوئی بچھڑ کے آپ سے میری کوئی حیات ہوئی
سفر پہ جاتے ہیں جائیں خدا کرے آسان
مگر مجھے بھی رکھیں ساتھ کیا ہے یہ امکان

کنیز مجھ کو سمجھ لیں تو کوئی بات نہیں مری طرف بھی نہ دیکھیں تو کوئی بات نہیں
(۸۲)
سفر میں حال نہ پوچھیں تو کوئی بات نہیں کہ مجھ سے دور ہی بیٹھیں تو کوئی بات نہیں
مگر خدا کے لئے چھوڑ کر نہ جائیں مجھے
مرا قصور ہے کوئی ذرا بتائیں مجھے

کہا حسینؑ نے بیٹی یہ کیا کہا تو نے قسم خدا کی مرا دل رلا دیا تو نے
اداسیوں سے نظر کو سجا دیا تو نے (۸۳) غریب باپ کو مضطر بنا دیا تو نے
قصور تیرا زمانے میں کچھ نہیں صغراؑ
مگر سفر پہ تجھے ساتھ رکھ نہیں سکتا

سفر میں دھوپ ہے کوسوں ندی کا نام نہیں دہکتے رستوں میں سایوں کا کوئی کام نہیں
ہمیں تو چلتے ہی رہنا ہے اب قیام نہیں (۸۴) سفر ہمارا سرِ حشر تک تمام نہیں
بہت علیل ہے بیٹی کہ چل نہ پائے گی
یقین ہم کو ہے رستے میں موت آئے گی

کہا یہ صغراؑ نے اصغرؑ کو چھوڑ جائیں امام یہ گاہوارے میں رہتا ہے کیا سفر میں ہے کام
یہ بھائی میرا ہے ننھا سا غم کے ہیں ایام (۸۵) میں اس کا جھولا جھلاتی رہوں گی عرش مقام
میں اس کے پاس ہی لیٹوں گی پاس سوؤں گی
یہ مجھ سے باتیں کرے گا میں اس سے بولوں گی

کہا حسینؑ نے بیٹی یہ صبر کا ہے مقام رضا ہو اس میں ہماری جو ہے خدا کا نظام
یہ ایک پھول ہے ہونا ہے رن میں اس کو حسام (۸۶) یہاں پہ کام نہیں کربلا ہے اس کا قیام
اسے بھی دین کی راہوں میں کام آنا ہے
گلے پہ تیر ستمگر کا اس کو کھانا ہے

نہ جانے کیسے ہوا افتراق صغراؑ سے یہ بات پوچھ لے کوئی ہمارے مولا سے
شبیہِ ختمِ رسل سے وفا کے آقا سے (۸۷) جنابِ زینبؑ و کلثومؑ سے رقیہ سے
سنا ہے دیر بہت دیر روئے سبطِ رسولؐ
تقاضہ وقت کا صغراؑ نے پھر کیا تھا قبول

مگر حسینؑ کا کہنا تھا میری نورِ نظر مرے کلیجے کی ٹھنڈک اے میری جانِ جگر
پدر ہو تجھ پہ تصدق حسینؑ کی یاور (۸۸) تجھے بلانے کو آئیں گے ایک دن اکبرؑ
مگر خدا سے دعا کر یہ خاندان رہے
بچھڑ کے کنبہ ترا تجھ سے پھر خوشی سے ملے

حسینؑ باندھ کے ڈھارس سفر پہ آگے بڑھے مرے امام کو کوفے کے بھی خطوط ملے
سفر پہ بھیج کے مسلم کو یہ بھی چلتے رہے (۸۹) مصیبتوں میں سدا شکر کے کئے سجدے
اداس ہو گیا مکہؔ حسین جاتے تھے
کہ حج بھی کرتا تھا گریہ حسینؑ جاتے تھے

اذان کہتی تھی فخرِ رسول کو ہو سلام نماز کہتی تھی جاتے ہیں دیں بچانے امام
فلک پکارا کہ ملتا ہے مصطفیٰؐ کو دوام (۹۰) ستارے کہتے تھے قسمت ہوئی ہے ان کی غلام
عجب طرح کی اداسی تھی دونوں عالم میں
علیؑ بھی بیٹھ گئے تھے پسر کے ماتم میں

سفر حسینؑ کا کوفے کے راستے کو چلا وہ لو، وہ دھوپ، وہ صحرا، غبار اڑتا ہوا
نہ راستے میں کنواں اور نہ آب کا قطرہ (۹۱) نہ نخل کوئی نہ باغ و بہار کا قصہ
حسینؑ لائے تھے جتنا وہ ساتھ پانی تھا
مسافروں کے وہ جینے کی اک نشانی تھا

مگر حسینؑ سخاوت کے تاجدار بھی تھے مگر حسینؑ محبت کا افتخار بھی تھے
مگر حسینؑ غریبوں کے غمگسار بھی تھے (۹۲) مگر حسینؑ مصیبت میں اک قرار بھی تھے
جو دیکھا فوجِ عدو کو عطش کے ہاتھوں میں
خود آب لے کے کھڑے ہوگئے وہ کوزوں میں

مسافروں سے کہا تم سفر کے مارے ہو تھکن بلا کی ہے تشنہ لبی سے ہارے ہو
لبوں پہ رکھے ہوئے پیاس کے شرارے ہو (۹۳) قریبِ مرگ ہو اور موت کے دلارے ہو
کرو نہ فکر کہ پانی پلائیں گے تم کو
اجل کے دام سے ہم ہی بچائیں گے تم کو

حسینؑ ابنِ علیؑ نے کچھ ایسا کام کیا کہ بڑھ کے کوثر و تسنیم نے سلام کیا
کہا یہ وقت نے کیا سیدِ انام کیا (۹۴) عدو کے ساتھ ہی حسنِ عمل امام کیا
کہا حسینؑ نے میں بھی علیؑ کا بیٹا ہوں
سخاوتوں میں پلا ہوں سخی کا بیٹا ہوں

کہا حسینؑ نے بابا بھی میرے اعلیٰ تھے سخاوتوں کا زمانے میں اپنے دریا تھے
حریفِ مال و منال و غنیمِ دنیا تھے (۹۵) شہیدِ مسجدِ کوفہ وقارِ کعبہ تھے
خود اپنے ہاتھ سے قاتل کو پانی پیش کیا
عدو کے دل کو تبسم سے اپنے جیت لیا

میں خوب جان رہا ہوں یہ حر کا لشکر ہے ہمارے واسطے نیزوں کا اک سمندر ہے
کسی کا ہاتھ ہے بھالا کسی کا خنجر ہے (۹۶) کسی کے دل میں کدورت کوئی ستمگر ہے
مگر میں رحمت عالم کے گھر کی عزت ہوں
زمانہ دیکھ لے مجھ کو میں بس محبت ہوں

بڑھے حسینؑ جو آگے تو حر ہوا تیار فرس کی باگ کو روکا تو شہ ہوئے غمخوار
بصد خلوص کہا فوج کے سپہ سالار (۹۷) تو جانتا ہے کہ میں کون؟ سیدِ ابرار
میں فاطمہؑ کا دلارا ہوں خوب جانتا ہے
مجھے یقین ہے مجھ کو امام مانتا ہے

کہا یہ حر نے کہ عظمت سے ہے کسے انکار فدا ہو ذات مری تم پہ سیدِ ابرار
جناں کے آپ ہیں سردار ہے مجھے اقرار (۹۸) مگر خدا کے لئے اب نہ کیجئے تکرار
مجھے ہے حکم کہ رستہ میں آپ کا روکوں
زمینِ کوفہ نہیں اور کوئی زمیں دیکھوں

کہا حسینؑ نے ماں کو لہو رلائے گا ہمیں تو لے کے کسی دشت میں ہی جائے گا
زمانہ ہم کو ستاتا ہے اور ستائے گا (۹۹) یہ وقت تیری جسارت بھلا نہ پائے گا
علیؑ کا لال ہوں فتح و ظفر کا شاہد ہوں
میں نرم دل ہوں مگر غیظ میں بھی واحد ہوں

اٹھاؤں تیغ تو حیدرؑ کی جنگ دکھلا دوں جدال کہتے ہیں کس کو جہاں کو سمجھا دوں
نظر اٹھاتے ہی لشکر کو پل میں دوڑا دوں (۱۰۰) جو موت سامنے آئے تو اس کو گھبرا دوں
مری رگوں میں لہو فاتحِ حنین کا ہے
زمانہ دیکھ لے انداز کیا حسینؑ کا ہے

مجھے غریب سمجھ کر جو ظلم ڈھاتے ہو رسولِ پاک کے دشمن ہو یہ بتاتے ہو
نبیؐ کی بیٹی کے بیٹے کو کیوں ستاتے ہو (۱۰۱) مقام نارِ جہنم میں تم بناتے ہو
رضا ہو میری تو رضوان سے ملو گے تم
نہیں تو صرف جہنم میں ہی رہو گے تم

یہ رنگ دیکھ کے مولا کا آگئے عباسؑ کہا یہ حر سے کہ تجھ کو نہیں ہوا احساس
علیؑ کا سارا گھرانا علیؑ کا ہے عکاس (۱۰۲) کسی عدو نے یہاں کی اگر کوئی بکواس
قسم خدا کی اسے پل میں چیر ڈالوں گا
اٹھا کے تیغ نہیں بس نظر سے ماروں گا

کہا حسینؑ نے بھیا مقامِ جنگ نہیں جو تم نے تیغ اٹھائی بچے گا کوئی کہیں؟
اجل کے ہاتھ میں ہوگا لعین ابنِ لعیں (۱۰۳) نہ بچ سکے گی زمیں ہی مجھے ہے خوب یقیں
خدا کے واسطے تلوار توڑ دو بھائی
ہر ایک امر خدا پر ہی چھوڑ دو بھائی

اطاعتوں کے سمندر نے رخ کو پھیر لیا خدا کے دین کے یاور نے رخ کو پھیر لیا
جدل سے غیظ کے محور نے رخ کو پھیر لیا (۱۰۴) لگا کہ خلق سے محشر نے رخ کو پھیر لیا
اجل نے سانس لی راحت کی ہٹ گئے عباسؑ
حسینؑ ابنِ علیؑ سے لپٹ گئے عباسؑ

کہا جری نے جو آقا ہمارے فرمائیں تو جنگ ہم بھی لڑیں ورنہ پیچھے ہٹ جائیں
نہ جان دینے سے ان پر کہیں بھی گھبرائیں (۱۰۵) جو ان کا حکم ہو مقتل میں خون برسائیں
ہمیں تو حکمِ امامت کا پاس رکھنا ہے
ہمیشہ خود کو اطاعت شناس رکھنا ہے

علیؑ کے لختِ جگر کا سفر انوکھا تھا قدم قدم پہ اجالوں کا ایک ہالا تھا
لبوں پہ ذکرِ خدا کا خمار چھایا تھا (۱۰۶) نبی کا دین بچانا ہے یہ ارادہ تھا
صدائیں غیب سے آتی تھیں مرحبا شبیرؑ
ترے عمل سے ہے راضی ترا خدا شبیرؑ

سفر حسینؑ کا جاری تھا کربلا آئی فرات سامنے، نظروں میں نینوا آئی
بلا کی دھوپ تھی آنکھوں میں ماریہ آئی (۱۰۷) جبیں جھکائے ہوئے اپنی علقمہ آئی
کہا حسینؑ نے خیمے یہیں پہ نسب کریں
ہمارے سارے اقارب کمر یہیں کھولیں

کہا حسینؑ نے یہ کربلا کی منزل ہے ہم اس کی سمت ہیں مائل یہ ہم پہ مائل ہے
ہماری جان کی قیمت کا یہ ہی حاصل ہے (۱۰۸) حیاتِ دیں ہے سمندر میں یہ ہی ساحل ہے
اسی زمیں پہ ہمارا لہو برسنا ہے
یہیں پہ اپنے وطن کے لئے ترسنا ہے

یہیں پہ آئیں گے اعدا ضمیر کھوئے ہوئے عداوتوں کی زمینوں میں بغض بوئے ہوئے
شقاوتوں کے تصور میں پورے سوئے ہوئے (۱۰۹) نظر میں اپنی ستم کے تبر پروئے ہوئے
کریں گے ظلم وہ آلِ رسولؐ پر ایسے
ہوئے نہ ہوں گے کبھی خلق میں کہیں جیسے

مگر ہمارے لئے صبر کے خزانے ہیں عروجِ ضبط کے منظر ہمیں دکھانے ہیں
ہمیں لہو کے دیئے اب یہاں جلانے ہیں (۱۱۰) ستم کے جتنے ہیں طوفاں ہمیں مٹانے ہیں
اسی زمین کو مسکن بنا کے سوئیں گے
جہاں سے ظلمِ یزیدی مٹا کے سوئیں گے

بنو اسد کے قبیلے کو شہ نے بلوایا وطن سے آنے کا مقصد ہے کیا یہ سمجھایا
کہاں کہاں پہ بہے گا لہو یہ بتلایا (۱۱۱) زمیں خرید لی خود دے کے ان کو سرمایہ
کہا یہاں پہ ہماری قبور دیکھو گے
لہو میں ڈوبے ہوئے بے قصور دیکھو گے

خیامِ شاہِ زمن بھی وقارِ جنت تھے قریبِ عرشِ معلیٰ کنارِ جنت تھے
جھکا ہوا تھا فلک بھی شعارِ جنت تھے (۱۱۲) زمیں پہ نسب تھے لیکن بہارِ جنت تھے
فلک سے دیکھنے آتے تھے خود فرشتے بھی
زمینِ کرب و بلا خاک تھی کہ جنت تھی

زمینِ کرب و بلا کا عجب نظارہ تھا وہیں پہ طور تھا جنت کا استعارہ تھا
فرات کیا تھی کہ کوثر کا ایک دھارا تھا (۱۱۳) وہاں کی خاک نے دیں کا چمن نکھارا تھا
حسینؑ جانِ نبیؐ جانِ فاطمہؑ کی قسم
وہاں پہ ٹوٹ گئے تھے ہر اک انا کے صنم

ہر ایک شخص ہتھیلی پہ جان رکھتا تھا ضعیف ہوکے بھی خود کو جوان رکھتا تھا
قدم قدم پہ وفا کا نشان رکھتا تھا (۱۱۴) زمیں پہ کب تھا جناں میں مکان رکھتا تھا
خوشی تھی یہ کہ لٹائے گا جان سرور پر
کہ مشکلوں میں یقیں تھا امام حیدرؑ پر

کہا حسینؑ نے انصار سے مرے پیارو! جو ہو رہا ہے چراغاں اسے بجھا ڈالو
یہاں پہ خوں کا اجالا ہے یہ ذرا دیکھو (۱۱۵) تمہارے گھر میں تمہارے عزیز ہیں سوچو
تمہاری یاد کے تکیوں سے لگ کے روتے ہیں
تمہارے چاہنے والے جو تم کو کھوتے ہیں

میں چاہتا ہوں بتا دوں جو کل قیامت ہے یہ کربلا ہے یہاں ہر طرف سے آفت ہے
ہمارے خون کی پیاسی ہر اک شقاوت ہے (۱۱۶) یہ کربلا ہی نہیں مرکزِ شہادت ہے
یہاں پہ آلِ پیمبرؐ پہ ظلم ہونا ہے
کہ روحِ فاطمہ زہراؑ کو خون رونا ہے

یہ اشقیاء جو ہمارے لہو کے پیاسے ہیں لبِ فرات لگائے ہوئے جو پہرے ہیں
ہمارے واسطے ہاتھوں میں جن کے نیزے ہیں (۱۱۷) یہ مال و زر کے لئے عاقبت کو بھولے ہیں
یہ سب حسینؑ کے دشمن ہیں تم سے کام نہیں
تمہارے واسطے ان پر کوئی حسام نہیں

اٹھائے دیتا ہوں بیعت یہاں سے کوچ کرو
مجھے نہیں ہے شکایت یہاں سے کوچ کرو
مجھے ہے تم سے محبت یہاں سے کوچ کرو (۱۱۸) رہے گی میری عنایت یہاں سے کوچ کرو
بروزِ حشر شفاعت نبی کی پاؤ گے
برا نہ مانوں گا ہرگز چلے جو جاؤ گے

صدا امام کے کانوں میں یک بک آئی
حسینؑ آپ سے ہٹ کر جو زندگی پائی
کہیں ملی بھی زمانے میں گر پزیرائی (۱۱۹) ہر ایک چیز لگے گی جہاں کی ہرجائی
سدا ضمیر کی لعنت ہمیں ستائے گی
سکون آئے گا ہم کو نہ نیند آئے گی

تمہاری راہ میں مرنا ہمیں قبول امام
یہی ہے زیست کا اپنی فقط اصول امام
کہ ہو نہ جائے کوئی ہم سے ایسی بھول امام (۱۲۰) نگاہ پھیر لیں ہم سے کہیں رسول امام
اکیلا چھوڑ کے مولا نہ جائیں گے تم کو
ہیں جاں نثار تمہارے بتائیں گے تم کو

عدو کا تیر جو آیا ادھر تو کھائیں گے
چلی جو تیغ تو گردن بھی ہم کٹائیں گے
جو ہوگی جنگ تو میداں میں ڈٹتے جائیں گے (۱۲۱) خوشی سے جانِ محمدؐ پہ جاں گنوائیں گے
گلِ رسول کی خوشبو کو پانے آئے ہیں
لہو کی دھوپ میں ہم بھی نہانے آئے ہیں

کہا حسینؑ نے دل کو ہمارے جیت لیا
ہمارا جامِ مودت جو تم نے آج پیا
کہ خوش رسولؐ کو اور شاد مرتضیٰؑ کو کیا (۱۲۲) جنابِ فاطمہ زہراؑ کا تم نے ساتھ دیا
مقام اعلیٰ و ارفع ملے گا جنت میں
خدا نہ چھوڑے گا کوئی کمی بھی عزت میں

نہ جانے رات وہ کیسے کٹی قیامت کی
صدائیں آتی تھیں خیموں سے بس تلاوت کی
فلک پہ دھوم تھی شبیرؑ کی عبادت کی (۱۲۳) حسینؑ ابنِ علیؑ نے عجب ریاضت کی
خدا سے دیر بہت دیر گفتگو میں رہے
بچے گا دینِ نبیؐ کیسے جستجو میں رہے

غرض کہ شب کا سفر اختتام تک پہنچا
رخِ سحر نے نقابِ سیاہ کو الٹا
قمر بھی گوشۂ تنہائی میں کہیں ڈوبا (۱۲۴) خود اپنی کرنوں سے خاور نے ذکر یہ چھیڑا
سنبھل کے رکھنا قدم دشتِ کارزار میں آج
حسینؑ آئے ہیں میدانِ بیقرار میں آج

بلا کی دھوپ میں شبیرؑ امتحان میں تھے ابھی سفر سے ہی آئے تھے وہ تکان میں تھے
ستم کے تیر رواں ان پہ اس جہان میں تھے (۱۲۵) مگر وہ شیرِ ید اللہ کی امان میں تھے
عدو کو خوف تھا عباسؑ کی شجاعت سے
ڈرے ہوئے تھے لبِ نہر سب قیامت سے

کوئی یہ کہتا تھا عباسؑ وہ دلاور ہے نظر میں تیغ ہے جس کی نگاہ خنجر ہے
کوئی یہ کہتا تھا وہ شاہ کا غضنفر ہے (۱۲۶) کوئی یہ کہتا تھا حیدرؑ ہے وہ بھی حیدرؑ ہے
قدم جدال میں رکھّے نہ وہ دعائیں کرو
فرات روکنے والو! اجل سے اپنی بچو

صفِ حسینؑ میں ہر شخص بے مثال ملا شہادتوں سے گلے لگ کے مسکراتا رہا
ضمیر جاگا تو حرؑ نے بھی شہ کا ساتھ دیا (۱۲۷) حبیب ابنِ مظاہر بھی سرفراز ہوا
حبش کے جون کے جذبات بھی نرالے تھے
حسینؑ اس کو گلے سے لگا کے روتے تھے

حسینؑ روتے تھے روتا تھا ساتھ ساتھ فلک حسینؑ روتے تھے روتے تھے ارض اور سمک
حسینؑ روتے تھے گریہ کناں تھے جن و ملک (۱۲۸) حسینؑ روتے تھے حوروں کے دل میں تھی یہ کسک
حسینؑ اشک فشانی سے کام لیتے تھے
قدم قدم پہ جگر اپنا تھام لیتے تھے

غرض کہ ختم ہوا لشکرِ امامِ حسینؑ غرض کہ مر گئے انصارِ نازشِ ثقلین
غرض کہ ہوگئے مرقد میں مصطفیؐ بیچین (۱۲۹) غرض کہ ثانیٔ زہراؑ کے دل خراش تھے بین
صدائیں آتی تھیں خیموں سے صرف رونے کی
گھڑی تھی سیدِ ابرار کو یہ کھونے کی

کسی خیام سے آتی تھی العطش کی پکار کسی کے سوکھے لبوں پر تھی تشنگی کی بہار
کسی کے ہاتھ میں کوزہ تھا خالی و بے کار (۱۳۰) کسی کی آنکھ کے آنسو تھے خشکیوں کے شکار
کوئی یہ کہتا تھا جینا محال ہے بابا
ہماری پیاس کا کس کو خیال ہے بابا

کسی کا طفل تھا جھولے میں مضمحل سا گلاب کہیں پہ پیاس کے صحرا میں تھا کسی کا شباب
پھر اس پہ حیف کہ گھیرے تھا دھوپ کا سیلاب (۱۳۱) مگر حسینؑ کا جذبہ تھا ہر گھڑی شاداب
ہر اک مقام پہ شکرِ خدا بجا لائے
امام ظلم و ستم سے کبھی نہ گھبرائے

غرض کہ تیر و تبر کی تھی ہر طرف بارش لعین کرتے تھے قتلِ حسینؑ کی سازش
جری کے دل میں ہوئی پھر جدال کی خواہش (۱۳۲) بھڑک رہی تھی لہو میں قتال کی آتش
خیالِ جنگ و جدل نے اسے ابھارا تھا
علیؑ کا شیر سرِ دشت آنے والا تھا

کہا حسینؑ سے ''آقا! وغا کی خواہش ہے'' عطا ہو اذن یہ روحِ وفا کی خواہش ہے
اٹھاؤں تیغ یہ میری ادا کی خواہش ہے (۱۳۳) دکھاؤں جنگ یہ جوشِ ولا کی خواہش ہے
صفیں الٹ کے میں رکھ دوں علیؑ کا بیٹا ہوں
جو حکم ہو تو ابھی تیغ میں چلاتا ہوں

کہا حسینؑ نے پیاسی بہت سکینہؑ ہے وہ بیقرار ہے دشوار اس کا جینا ہے
تمہیں سے آس لگائے ہوئے حزینہ ہے (۱۳۴) اٹھاؤ مشک یہی وقت کا قرینہ ہے
خدارا جنگ کو چھوڑو سبیلِ آب کرو
اسی طرح یہ سفر اپنا کامیاب کرو

چلا امام کا خادم فرات کی جانب ادھر سے موج اٹھی اک نجات کی جانب
عدو بھی آگئے اپنی ممات کی جانب (۱۳۵) اجل بھی بڑھنے لگی پھر حیات کی جانب
اٹھا یہ شور کہ قہرِ خدا کی آمد ہے
کنارِ جوئے لبن مرتضیٰؑ کی آمد ہے

کوئی یہ کہتا تھا صفین کا سپاہی ہے کوئی یہ کہتا تھا حیدرؑ کا عکس باقی ہے
کوئی یہ کہتا تھا اس کی نظر ہی کافی ہے (۱۳۶) کوئی یہ کہتا تھا اب جان اپنی جانی ہے
کوئی یہ کہتا تھا فخرِ جہاد آیا ہے
ندی سے بھاگو کہ طوفان ساتھ لایا ہے

خدا کے شیر کے ضیغم کا خوف چھایا تھا کسی نے ریت کو اوڑھا تھا منہ چھپایا تھا
کسی نے ڈھال کی چادر میں سر کھپایا تھا (۱۳۷) کسی نے دوڑ کا انداز بھی دکھایا تھا
یہ لگ رہا تھا اجل ناچتی ہے مقتل میں
لگی تھی آگ ستم کے تمام جنگل میں

علم فرات پہ گاڑا وفا کے پیکر نے غرورِ فتح و ظفر مرتضیٰؑ کے گوہر نے
شجاعتوں کے فلک، طاقتوں کے محور نے (۱۳۸) ندی کو تھامنا چاہا تھا خود سمندر نے
ہر ایک موج سے مشکیزہ بات کرتا تھا
جری سکون سے آبِ حیات بھرتا تھا

کہا یہ مشک نے موجو! نہ موج میں آنا تمہارے واسطے لازم ہے اشک برسانا
نبیؐ کے گھر میں ہوا ہے بلا کا ویرانہ (۱۳۹) وہاں نہ آب کا قطرہ نہ اب کوئی دانا
سکینہؑ پیاس کے مارے گزر نہ جائے کہیں
مجھے یہ خوف ہے اصغرؑ بھی مر نہ جائے کہیں

سخن یہ سن کے پکارا اک آب کا قطرہ اے مشکِ حضرتِ عباسؑ تجھ پہ میں فدیا
نبیؐ کے لال کے کنبے کو جو رکھے پیاسا (۱۴۰) ہے اس کے بخت پہ لعنت وہ ہے سقر والا
ہمارے بس میں اگر ہو تو دوڑ کر جائیں
خوشی ہو پیاس جو شبیرؑ کی بجھا پائیں

کہا یہ مشک نے میرے جلو میں آجاؤ ہر ایک موج کی خواہش ہے کیا یہ بتلاؤ
نہ قید ہوکے رہو تم بدن کو پھیلاؤ (۱۴۱) شکست کہتے ہیں کس کو عدو کو سمجھاؤ
علیؑ کے شیر کی ہمت کے ساتھ ساتھ چلو
سمٹ کے کوزۂ بے آب میں تم آب بنو

کہا یہ موجوں نے عزت یہی ہماری ہے خیامِ شاہ پہ ہستی ہماری واری ہے
علیؑ کے شیر کی آئی یہاں سواری ہے (۱۴۲) فرات کیا ہے یہ کوثر پہ آج بھاری ہے
زہے نصیب کہ تشنہ لبی نے یاد کیا
نصیب والوں کو ابنِ علیؑ نے یاد کیا

علیؑ کے شیر نے چلو میں لے لیا پانی نصیب جاگ گئے خوش بہت ہوا پانی
مگر جری کے لبوں تک نہ جا سکا پانی (۱۴۳) خود اپنی ذات پہ پانی تھا با خدا پانی
وفا سرشت نے چلو میں کب اٹھایا تھا
فرات کس کی ہے اعداء کو یہ بتایا تھا

اٹھا کے مشکِ سکینہؑ کو جب چلا غازی لگا کہ اسپِ وفادار پر اڑا غازی
ہوا ہُوا بھی نہ تھا اور ہوا ہُوا غازی (۱۴۴) خیامِ شاہ کی جانب تھا صاعقہ غازی
بڑی ہی تیزی سے ساحل کی راہ سے نکلا
خیال جیسے کہ دل کی نگاہ سے نکلا

کسی میں تاب کہاں تھی جو سامنے آئے لجامِ اسپِ وفادار تھامنے جائے
سپاہی راستہ اس کا نہ روکنے پائے (۱۴۵) ہر ایک سمت نمایاں تھے موت کے سائے
نظر کی تیغ سے بچ بچ کے بھاگتے تھے عدو
نہ سو رہے تھے وہاں اور نہ جاگتے تھے عدو

کہا یہ سعد کے بیٹے نے بزدلو! جاگو بنِ زیاد سے ڈرتے نہیں ہو کیوں بولو
طلب نہیں ہے تمہیں مال و زر کی کیا سوچو (۱۴۶) ذرا حسینؑ کے سقے کو غور سے دیکھو
تھکا ہوا ہے کئی روز سے یہ پیاسا ہے
نقاہتوں سے بہر طور یہ شناسا ہے

جواب آیا کسی کا یہی ہے نادانی حقیقت آج بھی تونے نہ اس کی پہچانی
یہ مانا اس کو ملا ہے نہ دانہ اور پانی (۱۴۷) شجاعتوں کی وہ کرتا ہے اب بھی سلطانی
وہ جس کو جان نہ پیاری ہو سامنے جائے
جری کی تیغِ نظر سے ہی سر کٹا آئے

مگر ہوس کے پجاری بھی تھے وہاں موجود غرض نہ ان کو تھی ایماں سے مال تھا مقصود
خرد تھی ان کی اپاہج نگاہ تھی محدود (۱۴۸) گزارتے تھے وہ سانسیں حیات کی بے سود
ادھر اُدھر سے علیؑ کے پسر پہ وار کئے
بدن سے دونوں ہی شانے وہاں اتار دیئے

کسی نے تیر چلایا تو مشک تک پہنچا علیؑ کے شیر نے ہر چند تھا بہت روکا
مگر نصیب کا لکھا ہوا تو ہونا تھا (۱۴۹) نکل کے مشک سے آبِ فرات تھا صحرا
نکل کے مشکِ سکینہؑ سے کیا گیا پانی
تمام خواب جری کے بہا گیا پانی

کسی نے گرز لگایا تو خون میں ڈوبا کسی نے نیزہ چبھایا تو خون میں ڈوبا
کسی نے تیر اڑایا تو خون میں ڈوبا (۱۵۰) کسی نے سنگ چلایا تو خون میں ڈوبا
سفر تمام یہیں پر تھا زندگانی کا
تڑپ رہا تھا جنازہ علیؑ کے جانی کا

حسینؑ دوڑ کے آئے کنارِ جوئے لبن کمر خمیدہ ہوئی ٹوٹتا تھا سارا بدن
کہ اس سے بڑھ کے کہاں تھا کوئی بھی رنج و محن (۱۵۱) یہ فکر تھی کہ برادر کو دیں گے کیسے کفن
اٹھا کے دستِ بریدہ حسینؑ روتے تھے
علم تھا بھائی کا ٹھنڈا حسینؑ روتے تھے

سکینہؑ کہتی تھی کیسے سفر پہ آئے ہیں دہائی شیرِ خدا ہے کہ ہم ستائے ہیں
نہ کوئی مونس و ہمدم ہے سب پرائے ہیں (۱۵۲) اکیلے بابا جنازہ چچا کا لائے ہیں
کوئی بچا ہی نہیں ہے حسینؑ کا یاور
یہ لگ رہا ہے کہ ہر شخص ہے یہاں پتھر

کہا حسینؑ نے بیٹی مقامِ شکر ہے آج ہمارے صبر کی مقتل میں ہوگئی معراج
اگرچہ چاروں طرف سے ہیں ظلم کی افواج (۱۵۳) ہر ایک دور کی خاطر ہیں ہم مگر منہاج
ہمارے نقشِ قدم انقلاب لائیں گے
ستم گزیدہ ہمارا علم اٹھائیں گے

ہماری کرب و بلا کب تمام ہونی ہے ستم کی جور و جفا کب تمام ہونی ہے
شقاوتوں کی ہوا کب تمام ہونی ہے (۱۵۴) عداوتوں کی فضا کب تمام ہونی ہے
جہاں جہاں بھی بہے گا لہو عدالت کا
ہمارا نام بنے گا عدو جہالت کا

ہر ایک دور کا مظلوم اب ہمارا ہے ہمارا ذکر ہر اک غم زدہ کا یارا ہے
ہمارا نام دلِ مضطرب کا نعرہ ہے (۱۵۵) ہمارا خون صفِ ظلم میں شرارہ ہے
غموں کی خاک سے ہم نے سکوں اُگائے ہیں
ہمیں نے راستے احساس کے دکھائے ہیں

غرض حسینؑ کے خیموں میں اک قیامت تھی جنابِ ثانیٔ زہراؑ کی غیر حالت تھی
علیؑ کی بیٹی کو بھائی سے کیا محبت تھی (۱۵۶) ہر ایک سانس جدائی کی اب مصیبت تھی
لبوں پہ ایک صدا تھی کہ مر گیا بھائی
لہو میں اپنے نہا کر سنور گیا بھائی

صدا حسینؑ نے ''ھل من'' کی پھر لگائی تھی ہوا نے سارے زمانے کو جو سنائی تھی
زمیں تڑپتی تھی منزل یہ کیسی آئی تھی (۱۵۷) علیؑ کے لال پہ کفار کی چڑھائی تھی
کوئی نہ کہتا تھا لبیک یا حسینؑ حسینؑ
نبیؐ کا لال اکیلا تھا دشت میں بے چین

کسی نے آکے پکارا کہ سیدِ ابرار تمہاری ذات پہ ہوتی ہے ظلم کی یلغار
یہ دل خراش صدا ہے کہ موت کے آثار (۱۵۸) چلیں خیام میں اور دیکھیں آپ بھی اک بار
نکل کے جھولے سے اصغرؑ نے یہ بتایا ہے
ابھی حسینؑ کا اک اور بھی شناسا ہے

ابھی حسینؑ پہ مٹنے کو ایک باقی ہے ابھی حسینؑ کا موجود ایک ساتھی ہے
ابھی حسینؑ کا اک اور بھی سپاہی ہے (۱۵۹) ابھی حسینؑ کی مرضی سے ایک راضی ہے
صدا حسینؑ کی بے کار کیسے جائے گی
مقامِ جنگ میں ہستی اک اور آئے گی

اٹھا کے گود میں اصغرؑ کو دلفگار چلے عبا کا سایا کیا اور بیقرار چلے
لبوں پہ لیکے صدا شاہِ نامدار چلے (۱۶۰) ادھر سے تیر بھی مولا پہ بے شمار چلے
کوئی یہ کہتا تھا سرور کتاب لائے ہیں
ضرور توڑنے زعمِ عدو کو آئے ہیں

مگر حسینؑ تو اصغرؑ کو ساتھ لائے تھے خدا کی تیغ کے جوہر کو ساتھ لائے تھے
وقارِ عزم کے محور کو ساتھ لائے تھے (۱۶۱) کہ خشکیوں کے سمندر کو ساتھ لائے تھے
نقاب الٹ کے دکھایا تو گود میں تھا گلاب
نثار جس پہ دل و جان سے ہزاروں شباب

کوئی یہ کہتا تھا ہے آئینہ صداقت کا کوئی یہ کہتا تھا جلوہ ہے یہ قیامت کا
کوئی یہ کہتا تھا منبع ہے یہ طہارت کا (۱۶۲) کوئی یہ کہتا تھا جادو ہے یہ بلاغت کا
حسینؑ کچھ نہیں بولے خموشی بول پڑی
تڑپ کے رہ گیا دریا جو موج موج اٹھی

بپھر کے کہتے تھے قطرے چلو قریبِ حسینؑ سوال آب کا کرتا ہے وارثِ ثقلین
کہ اس کی گود میں ننھا سا غنچہ ہے بے چین بچین (۱۶۳) اسی طرح سے ملے گی سعادتِ دارین
نقوشِ تشنہ دہانی دہن سے دور کریں
لبوں پہ اصغرِ بے شیرؑ کے بہار لکھیں

کہا یہ تیر و کماں نے خدا ہی خیر کرے چراغِ سبطِ پیمبرؐ نہ کربلا میں بجھے
نہ اس کی سمت کوئی نیزۂ غنیم چلے (۱۶۴) قرارِ بانوئے مضطر ہمیشہ زندہ رہے
شدید پیاس کا عالم ہے اس مسافر پر
کہ ایسا ظلم نہ دیکھا کسی مہاجر پر

دکھائی پیاس کی شدت جو اس دلاور نے پگھلنا ٹھیک ہی جانا ہر ایک پتھر نے
زبان لب پہ جو پھیری جنابِ اصغرؑ نے (۱۶۵) کیا فرات کا رخ شدّتوں کے لشکر نے
کوئی یہ کہتا تھا سیراب ہم کریں گے ابھی
یہ بے قصور ہے اس کا قصور بھی ہے کوئی

ادھر یہ فکر تھی پانی پلائیں اصغرؑ کو نہ ماریں پیاس کے عالم میں شہ کے دلبر کو
ادھر یہ حکم ہوا وقت کے ستمگر کو (۱۶۶) ملے نہ آب کا قطرہ رضائے داور کو
کماں پہ تیر چڑھایا جو ابنِ کاہل نے
چھپایا موج میں چہرہ ندی کے ساحل نے

چلا ہواؤں سے کہتا ہوا یہ تیرِ لعین فلک لرزنے لگے گا ہلے گی آج زمین
لہو میں ڈوبے گا صحرائے العطش کا مکین (۱۶۷) نکل کے آئیں گے مرقد سے اب نجف کے نشین
وہی ہوا جو نہ ہونا تھا اس زمانے میں
شہید ہوگیا بے شیر تیر کھانے میں

مگر لبوں پہ ہنسی کا شباب چھایا تھا صفوں پہ خار کی ننھا گلاب چھایا تھا
کہ ظلمتوں میں کوئی ماہتاب چھایا تھا (۱۶۸) اندھیرے دشت میں نوری خطاب چھایا تھا
کہا امام نے چلو میں لیکے خونِ شہید
حسینؑ جیت گئے دیکھ لے لعین یزید

سفر یہ ننھے مجاہد کا لاجواب رہا نہ ایسا طفل ہمیں کوئی بھی کہیں بھی ملا
کہ جس کو موت کا احساس ہی ذرا نہ ہوا (۱۶۹) کہ جس نے تیر بھی کھایا تو مسکرانے لگا
ہنسی کی تیغ کے جوہر دکھانے آیا تھا
علیؑ تھا نام زمانے پہ چھانے آیا تھا

رباب خستہ جگر پر عجب قیامت تھی کہ سوئے دشت لگی ہر گھڑی بصارت تھی
وہ سر کو پیٹتی رہتی تھی غیر حالت تھی (۱۷۰) بکھیرے بال تھی بے شیر کی شہادت تھی
صدائیں دیتی تھی رہ رہ کے اے مرے اصغرؑ
ہوئی ہے شام چلے آؤ لوٹ کر گھر پر

کہا حسینؑ نے ہنگامِ عصر آیا ہے ہر ایک سمت اندھرا جفا کا چھایا ہے
ہمیں بھی مقتلِ پر درد نے بلایا ہے (۱۷۱) ذرا ہی دیر میں سمجھو کہ سر کٹایا ہے
ہمارے خون کی بارش بھی آج ہو جائے
عجب نہیں کہ قیامت کا راج ہو جائے

کہا یہ زینب مضطر نے کیا سفر ہے امام کہ تیر اور تبر کرنے آ رہے ہیں سلام
کھڑے ہیں تاک لگائے جہالتوں کے غلام (۱۷۲) رسولِ پاک کا بھولے ہیں سارے لوگ پیام
حسینؑ منی کا اعلان ان کو یاد نہیں
غدیرِ خم کا بھی میدان ان کو یاد نہیں

قصور جس کا نہیں ہے اسے ستاتے ہیں ستم کے تیر چلاتے ہیں مسکراتے ہیں
مقام اپنا جہنم میں وہ بناتے ہیں (۱۷۳) مخالفین نبیؐ کے ہمیں رلاتے ہیں
خوشی ہے دشمنِ حیدرؑ کے ہر گھرانے میں
نہیں ہے خوف محمدؐ کا دل دکھانے میں

کہا حسینؑ نے وعدہ ہمیں نبھانا ہے
خوشی سے موت کو اپنے گلے لگانا ہے (۱۷۴)
نبیؐ کے دین کو ہر حال میں بچانا ہے
جہادِ صبر سے ظلم و ستم مٹانا ہے
نبیؐ کی آل سے شر کو عناد ہے زینبؑ
ہمارے بعد تمہارا جہاد ہے زینبؑ

مارے بعد عدو اس طرح ستائیں گے
ہماری لاش پہ گھوڑے بھی وہ بھگائیں گے (۱۷۵)
سروں کو کاٹ کے نیزوں پہ وہ چڑھائیں گے
خیامِ آلِ پیمبرؐ بھی وہ جلائیں گے
ردا چھنے جو تمہاری تو یا نبیؐ کہنا
اسیر ہوکے چلو تم تو یا علیؑ کہنا

ہمارا وقتِ سفر آگیا ہے دنیا سے
کہ سیر دل بھی یہ اب ہو چکا ہے دنیا سے (۱۷۶)
مزاج اپنا بہت ہی خفا ہے دنیا سے
ملا وفا کا یہی تو صلہ ہے دنیا سے
ہمارے خون کا پیاسا سوالِ بیعت ہے
ہماری تیغ کی مقتل کو اب ضرورت ہے

ہمیں بھی جنگ کے جوہر دکھانے جانے دو
عدو کو آج مکمل مٹانے جانے دو (۱۷۷)
ستمگروں کی صفوں کو ہرانے جانے دو
بہن سفر میں ہی گردن کٹانے جانے دو
تمہاری گریہ و زاری سے رنج ہوتا ہے
کہ اس طرح نہ کوئی اپنی جان کھوتا ہے

تمہیں قسم ہے کہ ڈھارس بندھاؤ عابدؑ کو
ہمارے حال کا قصہ سناؤ عابدؑ کو (۱۷۸)
اٹھے جو غش سے تو سب کچھ بتاؤ عابدؑ کو
گلا کٹے جو ہمارا دکھاؤ عابدؑ کو
سکینہؑ روئے تو تسکین کی سبیل کرو
ہر ایک غم کی ستائی کی تم کفیل بنو

بڑھے حسینؑ جو سوئے جدالِ کرب و بلا
کہا کہ آخری زحمت کا تجھ پہ ہے سایا (۱۷۹)
بڑے ہی پیار سے دلدل کی پشت کو چوما
پھر اس کے بعد تجھے دشت میں نہیں جانا
علیؑ کے لال کو مقتل کی یاد آئی ہے
یہ دیکھ تیغ بھی ہاتھوں میں اب اٹھائی ہے

یہ تیغ، تیغ نہیں ہے مری جلالت ہے
یہ تیغ، تیغ نہیں ہے لہو کی چاہت ہے (۱۸۰)
یہ تیغ، تیغ نہیں ہے عدو پہ آفت ہے
یہ تیغ، تیغ نہیں ہے مگر قیامت ہے
صفیں الٹ کے نہ رکھ دوں تو میرا نام نہیں
ستم کا خون مری تیغ پر حرام نہیں

چلا وہ اسپِ وفادار لیکے سرور کو نبیؐ کی جان کو زہراؑ کے روح پیکر کو
شجاعتوں کے خزانے وغا کے ساگر کو (۱۸۱) پکارتا ہوا محشر کے ایک منظر کو
وہ بجلیوں کی طرح ٹوٹتا ہوا پہنچا
کسی نے آگ کسی نے عذاب کو دیکھا

یہ لگ رہا تھا کہ بادل سا کوئی آیا ہے بدن کو چھوتا نہیں ہے سروں پہ چھایا ہے
ہوا میں اڑتا ہے دھرتی پہ اس کا سایا ہے (۱۸۲) عدو کو پہلے گرایا ہے پھر اٹھایا ہے
کبھی اِدھر ہے کبھی وہ اُدھر اچھلتا ہے
ہوا بھی رہ گئی پیچھے کچھ ایسے چلتا ہے

کسی کی ڈھال کو توڑا کسی کی تیغ گری کسی کا نیزہ چھڑایا کسی کی موت ہوئی
کسی کے منہ پہ قدم تھے کسی کی پشت گئی (۱۸۳) کسی نے جان بچائی کسی کی جان چلی
ہوا نے باگ سنبھالی ہوئی تھی گھوڑے کی
کہاں تھی اس کو ضرورت کسی کے کوڑے کی

صدائیں آتی تھیں مقتل میں جان جانے کی کسی کے ہاتھ کسی کے کمر کٹانے کی
کسی میں تاب نہ تھی تیر تک اٹھانے کی (۱۸۴) کسی کو موت نے مہلت نہ دی ٹھکانے کی
حسینؑ اپنی شجاعت میں جھوم جاتے تھے
بدن پہ تیر بھی آتے تو مسکراتے تھے

یہ کہتے جاتے تھے زہراؑ کا دل دکھاتے ہو نبیؐ کے لختِ جگر کو عبث ستاتے ہو
علیؑ کے لال پہ شمشیر تم اٹھاتے ہو (۱۸۵) مقام اپنا جہنم میں کیوں بناتے ہو
خطوط لکھ کے بلایا ہمیں تھا بھول گئے
ذرا بتاؤ خرد کے کہاں اصول گئے

کوئی یہ کہتا تھا دولت کے ہم پجاری ہیں دغا ہی کام ہے اپنا ستم شعاری ہیں
خرد میں خواب ہوس کے ہمیشہ جاری ہیں (۱۸۶) نہ ہم کو پیار نبی سے نہ تم پہ زاری ہیں
نہ عاقبت کی ہمیں فکر ہے نہ مرنے کی
نہیں ہے کوئی ضرورت ہمیں سدھرنے کی

حسینؑ کہتے تھے دنیا نہ کام آئے گی سبق حیات تمہاری تمہیں سکھائے گی
جو قوم آلِ پیمبرؐ کو ہی ستائے گی (۱۸۷) وہ آخرت میں کہاں کامیاب جائے گی
سفر حیات کا تم کو تمام کرنا ہے
نہ بھول جانا کہ بے دین تم کو مرنا ہے

حسینؑ تشنہ دہانی میں جنگ کرتے تھے کہیں پہ تیغ تو نیزے کہیں ابھرتے تھے
بدن سے سینکڑوں پیکان بھی گزرتے تھے (۱۸۸) خود اپنے خون کے قطروں میں وہ سنورتے تھے
وہ وقتِ عصر کا ہنگام کون بھولے گا
نبیؐ کے لال کا پیغام کون بھولے گا

نبیؐ کے لال پہ یلغار تھی لعینوں کی کہ دینِ پاک سے تکرار تھی لعینوں کی
حبیبِ خلد سے پیکار تھی لعینوں کی (۱۸۹) سرِ امام پہ تلوار تھی لعینوں کی
لہو میں ڈوب گئے تھے صداقتوں کے صفیر
گھرا تھا ظلمتِ شب میں علیؑ کا بدرِ منیر

لگے تھے تیر ہزاروں میانِ جنگ و جدال حسینؑ پیاسے تھے اس کا نہیں تھا کوئی خیال
وہ بے ضمیر تھے کتنے یہی ہے ایک سوال (۱۹۰) نبیؐ کے لختِ جگر کو جو کر رہے تھے نڈھال
لرز رہی تھی زمیں تو فرات روتی تھی
یہ لگ رہا تھا کہ سب کائنات روتی تھی

دہکتی ریت پہ سر کو حسینؑ نے رکھا خدا کا شکر کیا اور جدال کو روکا
بدن پہ کرنے لگی تیز دھوپ بھی سایا (۱۹۱) اٹھا کے خنجرِ سفاک شمر آگے چلا
کہا حسینؑ کو کرنے شہید آیا ہوں
عناد و بغض و ستم کو نظر میں لایا ہوں

کہا حسینؑ نے تجھ کو خدا کا خوف نہیں رسولؐ پاک کا اور مرتضیٰؑ کا خوف نہیں
بروزِ حشر غمِ فاطمہؑ کا خوف نہیں (۱۹۲) ہماری آہ و فغاں کی صدا کا خوف نہیں
ہمارے سر کو جدا کرنے کا ارادہ ہے
ضرور تیرا جہنم میں اب ٹھکانا ہے

صدا یہ غیب سے آتی تھی روک لے خنجر لعین یہ ہے خدا کے حبیب کا دلبر
تو ظلم کرتا ہے اس پر جو ہے بہت مضطر (۱۹۳) گلا بھی سوکھ کے جس کا ہوا ہے اب پتھر
اذیتوں کے سفر سے نہ تو گزار اسے
خدا کے واسطے تشنہ دہن نہ مار اسے

خیامِ شاہ سے کہتی تھی الاماں زینبؑ گھری ہوئی تھی مصائب میں ناگہاں زینبؑ
صدائیں دیتی تھی اماں ہے نوحہ خواں زینبؑ (۱۹۴) تمہیں بتاؤ کہ جائے گی اب کہاں زینبؑ
کہ سر حسینؑ کا نوکِ سناں کی زینت ہے
اسیر عابدِ مضطر ہیں کیا قیامت ہے

سفر یہ شامِ غریباں کا دیکھ لو نانا اثر یہ شامِ غریباں کا دیکھ لو نانا
ثمر یہ شامِ غریباں کا دیکھ لو نانا (۱۹۵) بسر یہ شامِ غریباں کا دیکھ لو نانا
ہمیں تو دشت میں تاریکیوں نے گھیر لیا
جلے خیام چھنی چادروں پہ صبر کیا

بیان شامِ قیامت کا کیا کرے کوئی ہوئی جو صبحِ قیامت جو روشنی پھیلی
علیؑ کی بیٹی کے ہاتھوں میں باندھ کر رسی (۱۹۶) سفر پہ ایک نئے فوجِ آہنی چل دی
علیؑ کی بیٹی کا گریہ تھا دل خراش بہت
نبیؐ کے لال کا لاشہ تھا پاش پاش بہت

کفن کسی کو میسر نہ تھا بہتر میں سبھی تھے ڈوبے ہوئے خون کے سمندر میں
سناں کی نوک لگی تھی گلوئے سرور میں (۱۹۷) حیا نہ باقی کوئی تھی عدو کے لشکر میں
لگاتے جاتے تھے درّے سفر میں عابدؑ کے
بچھے تھے خارِ مغیلاں نظر میں عابدؑ کے

طواف کرتا تھا اڑتا ہوا غبار بہت دہکتی دھوپ میں تپتا تھا طوقِ خار بہت
بدن سے لپٹی تھی زنجیر بے قرار بہت (۱۹۸) قدم ضعیف تھے دل بھی تھا سوگوار بہت
سفر طویل تھا راہِ حیات چھوٹی تھی
اسیرِ ظلم پہ منزل بھی خون روتی تھی

اسیرِ ظلم و جفا کا سفر تھا کوفے تک صدائیں آہ کی پہنچیں علیؑ کے روضے تک
لرز رہے تھے زمین و زماں کے خیمے تک (۱۹۹) لہو بہائیں گے اس غم میں شادیانے تک
خوشی کی دھوم تھی ابنِ زیاد کے گھر میں
جنونِ بغضِ علیؑ تھا یزید کے سر میں

سرِ حسینؑ تھا طشتِ طلا کے دامن میں کھڑے تھے آلِ پیمبرؐ محل کے آنگن میں
سماں تھا جیسے قیامت کا شورِ شیون میں (۲۰۰) لگی تھی آگ رسولِ زمن کے گلشن میں
خزاں تھی چھائی ہوئی آلِ مصطفیؐ کے لئے
بہار آئی تھی اغیارِ کبریا کے لئے

لہو کے اشک رواں تھے جنابِ عابدؑ کے ہزراوں زخم عیاں تھے جنابِ عابدؑ کے
سکون، چین دھواں تھے جنابِ عابدؑ کے (۲۰۱) خدا سے یہ ہی بیاں تھے جنابِ عابدؑ کے
ترے رسولؐ کی امت نے ظلم ڈھائے ہیں
اسیر ہوکے حرم کربلا سے آئے ہیں

یہ قافلہ یہ اسیری یہ پیاس کی شدت یہ نوحہ خوانی یہ گریہ یہ بین کی حالت
تمام ہو نہ سکی آل پر کسی قیمت (۲۰۲) مٹا نہ پائی غریبوں کو ظلم کی طاقت
جہادِ صبر میں ہمت سے کام لیتے رہے
سبھی اسیر سناں سے سلام لیتے رہے

سناں وہ ایسی سناں جس پہ سر حسینؑ کا تھا سناں وہ ایسی کہ جس پر سفر حسینؑ کا تھا
سناں وہ جس پہ سراسر اثر حسینؑ کا تھا (۲۰۳) سناں وہ جس کے جگر میں جگر حسینؑ کا تھا
سرِ سناں سے سرِ شہ کی بات جاری تھی
شہیدِ کرب و بلا کی حیات جاری تھی

سماں وہ آیا کہ احساسِ ظلم ہی نہ رہا خدا کا خوف لعینوں کے دل سے سارا مٹا
دیارِ شام میں پیاسوں کا کارواں پہنچا (۲۰۴) نشے میں ڈوبا یزیدِ لعین کو دیکھا
کہا یہ بنتِ علیؑ نے یہ کیا قیامت ہے
رسولِ پاک بلا میں تمہاری عترت ہے

بنِ زیاد کے ظلم و ستم سہے تھے ابھی ہزراوں سینکڑوں غم سے حرم ملے تھے ابھی
ہمارے ہاتھ رسن سے کہاں چھٹے تھے ابھی (۲۰۵) غشی سے عابدِ بیمار بھی گرے تھے ابھی
کہیں کہ وقت نے کتنا ہمیں ستایا ہے
گزر گیا ہے جو کوفہ تو شام آیا ہے

یہاں بھی ظلم کا بانی غموں پہ ہنستا ہے یہاں بھی بغض و عداوت میں وقت ڈوبا ہے
یہاں بھی کفر نے دربار کو سجایا ہے (۲۰۶) یہاں بھی صبر کے دامن میں آہ و نالہ ہے
یہاں بھی حاکمِ بد مست ہے شقاوت میں
یہاں بھی ہم نے قدم رکھ دیا قیامت میں

سرِ حسینؑ کو لکڑی سے چھیڑتا تھا لعین جو منہ میں آتا تھا بے خوف بولتا تھا کمین
کھڑے ہوئے تھے قطاروں میں جنتوں کے نشین (۲۰۷) نہ آفتاب چمکتا تھا اور نہ ماہِ مبین
اندھیرے چاروں طرف اپنے سر اٹھائے تھے
حیا سے سارے اجالے جبیں جھکائے تھے

کہا یزید نے ابنِ علیؑ کی دختر سے سکینہؑ بی بی سے صبر و رضا کی پیکر سے
غموں کے کوہِ گراں، ضبط کے سمندر سے (۲۰۸) نگاہِ شاہِ زمن کی عزیز و دلبر سے
سنا ہے تم سے محبت بہت حسینؑ کو تھی
اگر یہ سچ ہے تو دیکھیں گے آج یہ ہم بھی

کہا سکینہؑ نے بابا یہ امتحان ہے آج دکھا دیں آپ بھی لیکن شہادتوں کا مزاج
اڑا ہے ظلم و ستم پر ستمگروں کا سماج (۲۰۹) فقط ہے نارِ جہنم ہی ہر لعیں کا علاج
وہ التجا تھی سکینہؑ کی شاہِ دیں کے حضور
تڑپ کے رہ گئی بنتِ نبی کی قبر ضرور

لکھا ہے طشتِ طلا سے سرِ حسینؑ اٹھا اٹھا تو بالی سکینہؑ کے روبرو پہنچا
کہا سکینہؑ نے بابا یہ ظلم ہے کیسا (۲۱۰) بچھڑ کے تم سے سکوں ایک پل نہیں پایا
تمہاری لاڈلی بیٹی پہ ظلم ٹوٹے ہیں
طمانچے کھائے ہیں میں نے گنوائے بندے ہیں

سفر یہ کیسا سفر ہے مصیبتوں کا سفر کہ اس سفر کی تمہیں بھی ہے بابا جان خبر
نبی کی آل نے کھائے ہیں راہ میں پتھر (۲۱۱) قدم قدم پہ چبھوئے ہیں ظلم نے نشتر
بلا لو جلد بلا لو تم اپنے پاس مجھے
نہ آئے گا یہ سفر اب زیادہ راس مجھے

عجب وہ منظرِ پُر درد و پُر ملال ہوا جنابِ ثانیٔ زہراؑ کا غیر حال ہوا
زمیں لرزنے لگی آسماں نڈھال ہوا (۲۱۲) یزیدِ ظلم و ابتر سے یہ سوال ہوا
یہ کس کے گھر کو اجاڑا ہے کس کو مارا ہے
حسینؑ ابنِ علیؑ مصطفیٰؐ کا پیارا ہے

لکھا ہے قید میسر ہوئی تھی عترت کو تڑپ رہی تھی سکینہؑ پدر کی الفت کو
علیؑ کی بیٹی بھی روتی تھی اپنی غربت کو (۲۱۳) خموش رہتے تھے عابدؑ اٹھائے زحمت کو
دنوں میں دھوپ تو راتوں میں اوس پڑتی تھی
وہاں رباب کی دنیا تھی جو اجڑتی تھی

لکھا ہے قید میں کرتی تھی اک سوال حزین رہیں گے کتنے دنوں اور ہم غموں کے رہین
ملے گی کون سے دن پھر وطن کی ہم کو زمین (۲۱۴) رہیں گے خاک بسر اور کتنے عرش نشین
گھروں کو لوٹ کے اپنے پرندے جاتے ہیں
ہم اہلِ بیت قفس میں ہی دن بتاتے ہیں

اُدھر وطن میں پریشاں تھی فاطمہؑ صغرا یہ سوچتی تھی نہ اکبرؑ نہ بے زباں آیا
ہمارا کنبہ خدا جانے کس طرف پہنچا (۲۱۵) بہت دنوں سے سکینہؑ کو بھی نہیں دیکھا
سکوں جگر کو نہ آنکھوں کو چین آتا ہے
پلک پہ اشک کی صورت میں بین آتا ہے

لکھا ہے قید میں، سرورؑ کی مر گئی دختر (۲۱۶) رباب خستہ جگر کے جگر پہ تھا خنجر
نہ دیکھ سکتے تھے عابدؑ یہ درد کا منظر علیؑ کی بیٹیاں روتی تھیں پیٹ پیٹ کے سر
لحد بنی تھی سکینہؑ کی قید خانے میں
کمی نہ وقت نے کی آل کو ستانے میں

لکھا ہے وقت وہ آیا نبیؐ کی عترت پر (۲۱۷) کہا گیا کہ رہا ہوں گے عابدِ مضطرؑ
ملے گی بنتِ علیؑ کو چھنی ہوئی چادر وطن کو لوٹ کے جائے گا کنبۂ سرورؑ
پکاری زینبِ مضطر رباب کو لاؤ
سفر پہ جاتے ہیں ہم پھر اسے یہ سمجھاؤ

کہا یہ عابدِ مضطر نے ماں سے روتے ہوئے (۲۱۸) جگر کے خون سے رخسار کو بھگوتے ہوئے
سکینہؑ چھوٹ گئی ہے یہیں پہ سوتے ہوئے چلیں وطن کو چلیں آپ جان کھوتے ہوئے
مجھے بھی غم ہے کہ کنبہ یہاں لٹا میرا
بہن کا میری نگہبان ہے خدا میرا

کہا ربابؑ نے دختر کو ساتھ لوں تو چلوں (۲۱۹) میں اپنی روح کے پیکر کو ساتھ لوں تو چلوں
میں اپنی آنکھ کے جوہر کو ساتھ لوں تو چلوں میں اپنے درد کے منظر کو ساتھ لوں تو چلوں
وطن کو لوٹ کے جانے کی حسرتیں لیکر
بچھڑ گئی ہے سکینہؑ مصیبتیں لیکر

ہمارے بعد اندھیروں میں کون آئے گا (۲۲۰) چراغ کون سکینہؑ یہاں جلائے گا
اکیلا پن یہ تمہیں لاڈلی ستائے گا وطن کا قصہ تمہیں کون اب سنائے گا
تمہارے بعد وطن بھی وطن نہ پاؤں گی
کوئی جو پوچھے گا تم کو تو کیا بتاؤں گی

لکھا ہے اہلِ حرم کربلا میں پہلے گئے (۲۲۱) وہاں حسینؑ کی تربت پہ سارے درد کہے
اڑائی خاک، گریبانِ روح چاک کئے سروں کو پیٹ کے اپنے ہزار نوحے پڑھے
افق سے چہرۂ ابنِ علیؑ ابھرتا تھا
ہر ایک سمت سے گریہ صدائیں کرتا تھا

چلا وطن کو چلا قافلہ اجڑ کے چلا (۲۲۲) نہ آج قاسم و عباسؑ تھے نہ اکبرؑ تھا
بشیر نے یہ صدا دی عجیب ظلم ہوا مدینے والو! اٹھا تم سے شاہ کا سایا
غریب عابدِ مضطر وطن میں آئے ہیں
نشان طوق کے گردن پہ اپنی لائے ہیں

شہیدِ کرب و بلا کے الم میں ڈوبے ہیں حرم بھی گریہ کناں محملوں میں بیٹھے ہیں
تڑپ تڑپ کے مصیبت پہ اپنی روتے ہیں (۲۲۳) مدینے والو! یہ دیکھو ستم یہ کیسے ہیں
گھروں میں چین سے سونا حرام ہے تم پر
اٹھو! کہ آج قیامت تمام ہے تم پر

عصا کو ٹیکتی ام البنینؑ آئیں اُدھر صدا لگاتا تھا جس جا بشیر خستہ جگر
کہا کہ تھا کہاں عباسؑ سا علیؑ کا پسر (۲۲۴) شہید کیسے ہوا فاطمہؑ کا نورِ نظر
یقین آتا نہیں ہے دہائی ہے مولا
گھڑی یہ کیسی قیامت کی آئی ہے مولا

اُدھر یہ کہتی تھی کلثومؑ پیٹ پیٹ کے سر نہ راس آیا بیابانِ کربلا کا سفر
مدینے! دیکھ ہماری یہ حالتِ مضطر (۲۲۵) ہمارے آنے کو للّٰلہ تو قبول نہ کر
نشاں رسن کے تو زخمی قلوب لائے ہیں
تمام گھر کو لٹا کر وطن میں آئے ہیں

قلم کو روک وفاؔ اب قلم بھی روتا ہے یہ مرثیہ جو بعنواں ''سفر'' کے لکھا ہے
یہ سب عطائے پیمبرؐ عطائے مولا ہے (۲۲۶) یقین جان یہ مقبولِ عام ہونا ہے
سفر سخن کا ترے یوں بھی کام آئے گا
تو آخرت میں جوارِ رسولؐ پائے گا

فرہنگِ مونسؔ
زیرِ طبع
ترتیب وتدوین
اصغر مہدی اشعر

کلیاتِ صغیرؔ سونوی
زیرِ طبع
ترتیب وتدوین
اصغر مہدی اشعر

دبیرؔ کے مرثیے
(جلد ششم تا دہم)
زیرِ طبع
ترتیب وتدوین
اصغر مہدی اشعر

اردو مرثیے میں خانۂ غم کی تصویریں

پروفیسر مہتاب حیدر نقوی

ابتدا سے مرثیہ نگاروں نے دیگر شاعرانہ جوہر و کمالات دکھانے کے ساتھ ساتھ مناظر کی خوب صورت تصویریں بھی بنائی ہیں۔ لکھنؤ میں فصیحؔ اور میر ضمیرؔ سے لے کر تعشقؔ لکھنوی اور میر عشقؔ نے تصویریں بنانے میں اپنی بہترین صلاحیتیں صَرف کیں اور اپنے جوہر و کمال کو اہلِ ذوق حضرات کے سامنے پیش کر داد و تحسین بھی حاصل کی۔ ان تصویروں میں چند تصویریں ایسی بھی ہیں جن پر ہمارے ناقدین اور مضمون نگاروں کی نظر نہیں گئی۔ یہ تصویریں ''خانۂ غم'' کی تصویریں ہیں۔ مرثیہ نگاروں نے ان تصاویر کو بنانے کے لیے بالکل الگ رنگوں کا استعمال کیا ہے تاکہ یہ رزم و بزم کی تصویروں سے مختلف نظر آئیں اور مرثیہ میں رثائیت اور غم انگیزی کے جذبات بھی اُبھر کر سامنے آ سکیں۔

مراثی میں جس خانۂ غم کی تصویریں بنائی گئی ہیں، وہ ایک بھرا پُرا گھر ہے۔ اس میں مرد، عورتیں اور بچّے ہیں۔ جس کے غم زدہ ماحول کی فضا سازی کے لیے شاعروں نے رسومیات غم کا ہر ممکنہ منظر تخلیق کرنے کی کوشش کی ہے۔ مزید یہ کہ گھر کے اندر کی معاشرتی زندگی پیش کرنے کے لیے اودھ کے علاقے میں رائج ان تمام رسموں کا ذکر بھی کیا ہے جن سے غم انگیز مناظر کی تمام صورتیں پیش کی جا سکیں۔ اس ''غم کدے'' کی عجیب و غریب صورت ہے۔ یہ رات میں بھی بیدار رہتا ہے مگر اضطراب کے ساتھ۔ اس کی عموی تصویر ملاحظہ ہو:

تھا خانۂ غم خیمۂ شاہنشہؑ والا — آندھی پہ پریشاں تھی کہ دل تھا تہ و بالا
مشعل نہ ٹھہرتی تھی ، نہ شمعوں کا اُجالا — خیمہ بھی اندھیرے میں نظر آتا تھا کالا
خاک اُڑتی تھی منھ پر حرم شیرِ خدا کے
تھا چیں بہ جبیں فرش بھی جھونکوں سے ہوا کے

مرثیے کے عروج کا زمانہ ۱۸۵۷ء کے آس پاس کا زمانہ ہے۔ سو ممکن ہے کہ مرثیہ نگاروں نے اپنے مراثی میں ''خانۂ غم'' کی جو تصویریں پیش کی ہیں ان پر اس وقت کے لکھنؤ کے سیاسی بحران کا اثر ہو۔ کیوں کہ مدینہ میں بھی اس گھر کی صورت ''خانۂ غم'' جیسی ہی نظر آتی ہے۔ میر انیسؔ نے اپنے مشہور مرثیہ ''فرزندِ پیمبرؐ کا مدینے سے سفر ہے'' میں اس اجڑتے ہوئے گھر کی تصویر کچھ اس طرح بنائی ہے:

یہ گھر کا سب اسباب گیا کس لیے باہر — نے فرش ، نہ ہے مسندِ فرزندِ پیمبرؐ
دالان سے کیا ہوگیا گہوارۂ اصغرؑ — اجڑا ہوا لوگو نظر آتا ہے مجھے گھر
کچھ منھ سے تو بولو مِرا دَم گھٹتا ہے امّاں
کیا سبطِ پیمبرؐ سے وطن چھٹتا ہے امّاں

گھر کی اندرونی حالت کا اثر باہر کی دنیا پر بھی ہے:

ہے جب سے کُھلا حال سفر بند ہیں بازار
یہ جنسِ غم ارزاں ہے کہ روتے ہیں دکاں دار

مرثیہ نگاروں نے کربلا میں جس گھر کی تصویریں پیش کی ہیں وہ گھر میدان کربلا میں ہونے والی تمام سرگرمیوں کا مرکز ہے۔ یہ گھر، گھر کے مقابلے عزاخانہ زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ مراثی میں اکثر مقامات پر اس کے اشارے ملتے ہیں مثلاً ''شادی گھر جو تھا، وہ عزاخانہ ہو گیا'' اور ''بیٹھوں کہاں کہ گھر تو عزاخانہ ہو گیا'' وغیرہ وغیرہ۔ کربلا میں واقع اس گھر کو مرثیہ نگاروں نے خیمہ (جب خیمۂ حسینؑ سے نکلا حسنؑ کا لال۔ بیت الشرف (بیت الشرفِ خاص سے نکلے شہِ ابرار) دولت سرا (دولت سرا سے روضۂ انور کو جائیں گے) درِ دولت (حضور کے در دولت پہ خاک اڑتی ہے)، محل (اس دم خدا کرے ہوں محل میں شہِ انام) اور کبھی گھر کے نام سے یاد کیا ہے۔ روایت ہے کہ مذکورہ ناموں میں سے ایک آدھ نام شاہِ اودھ کے محل کا نام بھی ہے۔ اس گھر یا خیمے کے اندرونی حصّے میں اداسی اور مایوسی کی فضا ہونے کے باوجود اس کا بیرونی حصہ خاصا پُر رونق بھی ہے :

دیکھا جو نور شمسۂ کیواں جناب پر
کیا کیا ہنسی ہے صبح گل آفتاب پر

پردے تھے رشک پردۂ چشمان حورعیں
تاروں سے تھا فلک اسی خرمن کا خوشہ چیں

تھا اس کے ارتفاع میں کرسی کا سب جو طور
سکّانِ عرش دیکھتے تھے فرش کو بغور

ان مصرعوں کے ذریعے خیمے کے حسن اور اس کی بلندی کا تو اندازہ لگایا جا سکتا ہے لیکن اس کے پردوں اور در و دیوار کو دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ پردے اور دیواریں کسی ''غم خانے'' کی ہیں۔ لہٰذا ایک Message کے ذریعہ اس میں غم کدے کا رنگ بھرا گیا ہے:

خیمہ نہ کہیے آئے تھے شہؑ قتل ہونے کو
پلّہ زمیں نے منھ پہ لیا تھا وہ رونے کو

یہ تو خیمے یا گھر کے باہری حصہ کی تصویریں تھیں، لیکن اس کے آس پاس بھی چہل پہل ہے۔ اس کی تصویریں ملاحظہ ہوں۔ مدینے کی تصویریں:

تدبیرِ سفر میں ہیں ادھر سبطِ پیمبرؐ — گھر میں کبھی آتے ہیں کبھی جاتے ہیں باہر
اسباب نکلواتے ہیں عباسؑ دلاور — تقسیم سواری کے تردد میں ہیں اکبرؑ
شہؑ کو جنھیں لے جانا ہے وہ پاتے ہیں گھوڑے
خالی ہوا اصطبل چلے آتے ہیں گھوڑے

ہر محمل و ہودج پہ گھٹا ٹوپ پڑے ہیں
پردے کی قناتیں لیے فرّاش کھڑے ہیں

کربلا کی تصویریں:

کرسی نشیں ہے لختِ دلِ سیّد البشرؐ
.....
کرسی منگا کے بیٹھ گئے اِک طرف امامؑ
.....

اٹھارہ آفتابوں کا غنچہ زمیں پہ تھا

کربلا میں یہ گھر ایسے مقام پر اور ایسے زاویے سے بنایا گیا ہے، جہاں سے خواتین کو میدانِ کربلا کے تمام مناظر نظر آتے رہیں اور ان کا پردہ بھی قائم رہے۔ ان تصویروں کو مختلف شعرا نے مختلف طریقوں سے بنایا ہے۔ ذرا تعشق لکھنوی کی تصویر ملاحظہ ہو۔ امام حسینؑ خیمے کے باہر سے جناب علی اکبرؑ کی لڑائی دیکھ رہے ہیں اور خیمے کی ڈیوڑھی پر موجود خواتین کی نظریں امامؑ کے چہرے پر ہیں اور وہ امامؑ کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات کے ذریعے بنتی اور بگڑتی ہوئی لڑائی کا حال دیکھ رہی ہیں :

تغیرات رُخ بے مثال دیکھتی ہیں
اس آئینے میں لڑائی کا حال دیکھتی ہیں

باہر سے خیمہ نظر آنے والا کربلا کا یہ گھر اندر سے اودھ کے مہذّب شیعہ جاگیردار کا گھر معلوم ہوتا ہے۔ اس میں ایک ڈیوڑھی ہے، بڑا سا صحن اور دالان ہے اور ایک شہ نشیں بھی ہے۔ بقول ڈاکٹر شیخ الزماں: ''اودھ اور خصوصاً لکھنؤ کے مکانات کی ساخت ایسی ہے جس میں ایک شہ نشیں ضرور ہوتی ہے۔ یہ شہ نشین تعزیہ اور علم نصب کرنے کے کام آتی ہے۔''

یوں تو ہر گھر میں ڈیوڑھی صحن اور دالان ہوتا ہے مگر شہ نشین کا اضافہ اسے گھر کے بجائے عزاخانہ بنا دیتا ہے۔ مرثیہ نگاروں نے اس گھر کی بہت خوبصورت تصویریں بنائی ہیں۔ دو تصویریں ملاحظہ ہو :

دالان ہے یہ شاہ کی خواہر کے واسطے — یہ نرم فرش ہے علی اکبرؑ کے واسطے
جھولے کی جا یہ ہے علی اصغرؑ کے واسطے — یہ گھر ہے شاہِ دیںؑ کے بردار کے واسطے
راحت سے شہ نشیں میں امامؑ زمن رہیں
حجرا یہ ہے کہ چین سے دولھا دلھن رہیں

اور:

مسند آراستہ کی سبطِ پیمبرؐ کے لیے — کشتیاں لا کے رکھیں عترتِ حیدرؑ کے لیے
جھولا دالان میں ڈالا علی اصغرؑ کے لیے — لاکے گلدستے برابر رکھے اکبرؑ کے لیے
جام شربت کے بھرے ابنِ حسنؑ کی خاطر
گہنا پھولوں کا منگا رکھا دلھن کی خاطر

بظاہر یہ دونوں بند کسی ''غم خانے'' کی تصویر نہیں بناتے اور بزمیہ و بہاریہ شعر معلوم ہوتے ہیں لیکن روایات سے باخبر اور شاعری کا ذوق رکھنے والے لوگ اس بات کا بہ آسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان بندوں کی داخلی کیفیت غم کی ہے۔ اس میں جو کچھ بیان ہو رہا ہے اس کے پس پردہ کوئی دوسرا منظر ہی رونما ہونے والا ہے۔

جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ مرثیے کا فروغ رسومِ عزا کے فروغ کا نتیجہ ہے اور ہمارے شاعروں نے اس غم خانے کی جتنی اور جو بھی تصویریں بنائی ہیں سب عزاخانوں کو ذہن میں رکھ کر بنائی گئی ہیں۔ مثلاً عزاخانوں کا صحن، دالان، شہ نشین اور فرش وغیرہ علم نصب کرنے یا بڑھانے، صف ماتم بچھانے اور تعزیہ و علم رکھنے کے لیے ہے۔ عزاخانوں کے صحن اور دالان کی لمبائی، علم کو لٹا کر سجانے، بڑھانے یا ٹھنڈا

کرنے کے عمل کو ذہن میں رکھ کر بنائے جاتے ہیں۔ چند تصویریں ملاحظہ ہوں:

حضرتؑ نے لا کے گاڑ دیا صحن میں علم
اور گِر پڑے زمیں پہ شہنشاہِؑ باکرم

.....

اکبرؑ نے لا کے گاڑ دیا صحن میں علم
کھولے سروں کو زیرِ علم آئے سب حرم

.....

ناگاہ لاش صحن تک آئی لہو میں تر
پیٹے جو سب عروس کو بھی ہوگئی خبر

.....

فرش اُٹھتا ہے کیا ، بچھتی ہے گویا صفِ ماتم

.....

ڈیوڑھی کے پاس بیٹھے ہیں حضرتؑ برہنہ سَر

.....

حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَرجُھکائے ہوئے

.....

اکبرؑ علم کو خیمے کے اندر جُھکا کے لائے

مندرجہ بالا اشعار اور مصرعوں کے ذریعہ خانۂ غم کے جو مرقعّے بنائے گئے ہیں وہ اصلاً عزاخانوں کی تصویریں ہیں۔ یہ عزاخانے اجتماعی اور ذاتی دونوں طرح کے ہوسکتے ہیں۔ امام حسینؑ اور حضرت علی اکبرؑ کا صحن میں علم جھکا کر خیمے میں لانا، علم کے گرد خواتین کا سر برہنہ گریہ وزاری کرنا، صحن میں لاش لانا اور امام حسینؑ کا ڈیوڑھی کے قریب غم زدہ حالت میں بیٹھنا، یہ سب رسومِ عزا سے متعلق سرگرمیاں ہیں۔ اس قسم کے مناظر کی تصویریں پیش کرنے کا اصل مقصد غم انگیز فضا کو قائم کرنا ہے۔

اکثر مقامات پر خانۂ غم کی تصویر سازی کے لیے ہمارے مرثیہ نگاروں نے گھر کے باہر کی اداس فضا کا بھی سہارا لیا ہے۔ مجالس عزا کی طرح جلوس عزا کی کامیابی کا انحصار بھی گریہ وزاری اور افراد کی تعداد پر ہوتا ہے۔ ایّامِ عزا کے دوران جلوس عزا نکلتے ہیں اور عزادار جوق در جوق اس میں شامل ہونے کے لیے جاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس منظر میں خواتینِ خانہ بھی شامل ہوتی ہیں، جو اپنے گھروں کے بالائی یا بیرونی حصوں سے اس جلوس کی زیارت کرتی ہیں۔ اس طرح باہر کی سرگرمی گھر کے اندر بھی پہنچ جاتی ہے۔ اب ذرا ایک منظر ملاحظہ کیجیے۔ جنابِ صغراؑ کو خبر ملتی ہے کہ کربلا سے قافلہ واپس آ گیا ہے۔ سوشوقِ دیدار میں وہ ڈیوڑھی پر آ کر بیٹھ جاتی ہیں۔ عاشقانِ امامؑ گلی میں باہم گفتگو کرتے ہوئے جارہے ہیں۔ جناب صغراؑ ان کی باتیں سن رہی ہیں۔

اُٹھی یہ سن کے عاشقِ شاہنشہِ امم ڈیوڑھی پہ جاکے بیٹھ گئی وہ اسیرِ غم
دیکھا کہ لوگ جاتے ہیں کہتے ہوئے بہم عرصہ بہت ہوا ہے ، ذرا جلد اٹھے قدم
ہوگا بڑا ملال جو ساعت یہ ٹل گئی
جانے سے فائدہ ؟ جو سورای نکل گئی

دراصل یہ ایک جلوسِ عزا کی تصویر ہے۔ یہ تصویر غم انگیز اس لیے ہے کہ شاعر نے اس تصویر کے بطن میں ایسی تصویریں پوشیدہ کر رکھی ہیں جو بہت ہی دردناک ہیں۔ مرثیہ نگاروں نے اس طرح کی تصویریں بنانے کے لیے جن Tools کا استعمال کیا ہے وہ ہماری سماجی اور معاشرتی زندگی سے لیے گئے ہیں۔ ان میں کچھ روایات اور کچھ روزمرہ کی زندگی سے متعلق چیزیں ہیں۔ عزاداری چوں کہ ایک سماجی سرگرمی بھی ہے اس لیے اس سرگرمی کا اظہار مکمل طور پر مراثی میں ہوا ہے۔ مرثیہ گو شاعروں نے اس قسم کے مناظر پیش کرنے کے لیے نہ تو صنعت گری کا سہارا لیا ہے اور نہ ہی مضمون آفرینی سے کوئی سروکار رکھا ہے۔ یہاں وہ نہ ہی تشبیہ کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور نہ ہی انہیں استعارہ سے کوئی غرض ہے۔ وہ تو محض محاوروں اور روزمروں کے ذریعہ کمالِ سادگی سے درد انگیز تصویریں بناتے رہتے ہیں۔ جنابِ زینبؑ کے صاحب زادوں کی لاشیں خیمے میں آئی ہیں، ان کے بین کی بولتی ہوئی تصویریں ملاحظہ ہوں:

کیسی دھڑا دھڑی ہے ، یہ کیا بین ہوتے ہیں
لوگو! نہ غل کرو کہ مرے شیر سوتے ہیں

اور

توصیف امامِؑ دو سرا کرتے ہیں اُٹھو عباسِؑ علم دار ثنا کرتے ہیں اُٹھو
ہم شکلِ نبیؐ مدحِ وغا کرتے ہیں اُٹھو سب لوگ نہ اُٹھنے کا گلا کرتے ہیں اُٹھو
آقا سے مصیبت میں جدا ہو نہیں جاتے
صدقے گئی یوں جنگ کے دن سو نہیں جاتے

محمد حسین آزادؔ نے آبِ حیات میں مرثیے پر اپنے اصل مقصد سے ہٹ جانے کا الزام لگایا ہے جب کہ ایسا نہیں ہے۔ ورنہ اس قسم کی تصوریں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے، آپ کو کہیں نظر نہ آتیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ دورِ عروج کے مرثیہ نگار اپنے ماقبل کے مرثیہ گویوں کے مقابلہ توازن وتناسب کے زیادہ قائل تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ ایک جیسے لمبے لمبے مناظر پیش کر اپنے قارئین وسامعین کا امتحان لیں۔ پھر یہ کہ وہ مرثیہ کو دنیا کی بڑی شاعری سے آنکھیں چار کرنے کے لیے بھی تیار کر رہے تھے۔ ان سب باتوں کے باوجود مرثیہ کا اگر بغور مطالعہ کریں گے تو ہر دور کے ہر مرثیہ میں دیگر تصویروں کے مقابلے غم انگیز مرقع ہمیں زیادہ نظر آئیں گے۔

رباعی

واحد ہے جو عبد نیک نام اُس کا ہوں یکتا ہے جو مدّاح مدام اُس کا ہوں
پوچھیں گے نکیرین تو کہہ دوں گا انیسؔ قنبر کا جو مولا ہے غلام اُس کا ہوں
(میر انیسؔ)

غیر مطبوعہ مرثیہ

شگفتہؔ دلشاد

تعدادِ بند۔۔۔۷۳

ہوئے زخمی ولیِ حق صدا جبریلؑ کی آئی چلی تلوار سجدے میں قیامت کی گھڑی آئی
گلستانِ محمدؐ میں ہے ویرانی چلی آئی (۱) غمی پھر فاطمہ زہراؑ کے گھر میں یا نبیؐ آئی
ہوئے زخمی ہیں مسجد میں علیؑ یارب دُہائی ہے
لہو میں تر ہوا حق کا ولی یارب دُہائی ہے

اَثر سے سَم کے ہے مائل بہ زردی چہرۂ حیدرؑ خُدا کا شکر کرتے ہیں مگر وہ دین کے صفدر
ہے وِردِ فُرزتُ ہونٹوں پر جھکا ہے رب کے آگے سر (۲) رُلاتا ہے لہو حسنینؑ کو یہ درد کا منظر
علیؑ کہتے تھے قاتل سے مرے تم درگزر کرنا
اگر ممکن ہو تو بیٹا اُسے شربت پلا دینا

خبر بابا کی جبکہ زینبؑ مُضطر نے تھی پائی تھیں درد و غم کی اک تصویر پھر وہ فاطمہؑ جائی
بَصد آہ و فغاں کہتی تھیں بھیّا کیا گھڑی آئی (۳) اَبھی میں درد اماں کا نہیں بُھولی مرے بھائی
ہمیں ظالم نے پھر یہ آج کیسا دن دکھایا ہے
میرے بھائی صلہ کیسا مسلمانوں سے پایا ہے

لپٹ کر باپ کے قدموں سے غازیؑ خُوں بہاتے ہیں سرہانے بین زینبؑ کے علیؑ کو خُوں رُلاتے ہیں
گلو شبیرؑ کا چُوما کبھی سینے لگاتے ہیں (۴) کبھی شَبَّرؑ کو حسرت سے علیؑ دیکھے ہی جاتے ہیں
بلا کر پاس زینبؑ کو کہا اَے لاڈلی بیٹی
یہ صُورت بعدِ عاشورہ تُو دیکھے گی میری بیٹی

وہ دن اکیسویں کا تھا جہاں سے جب چلے حیدرؑ تھا اِک کہرام کوفے میں اُٹھے جب دِین کے یاور
تھی ماتم کی صدا فرشِ غمِ حیدرؑ بچھا گھر گھر (۵) غموں سے چُور تھے حسنینؑ غازیؑ زینبؑ مُضطَر
سَلُونی کہنے والے کا اُٹھا دنیا سے جب سایہ
زمین و آسماں نے مِل کے باہم تھا کیا گریہ

مرزا جعفر علی خاں اثرؔ لکھنوی

زرّین سلطانہ

چمنستانِ ادب کے گلِ سرسبز، گوہرِ خوش ضیا و خوش آب مرزا جعفر علی خاں ''اثرؔ لکھنوی'' اردو ادب کی ایک ممتاز ہستی ہیں اثرؔ کو قدر نے شاعر بنایا ہے۔ اُن کی بلند پایہ شاعری کے باعث ادبی دنیا میں کون ایسا ہوگا جو ان کے نام سے واقف نہ ہو۔ انھوں نے شعر و ادب کی جو خدمت کی ہے اُس کی مثال نہیں ملتی۔

برِصغیر میں آج بھی ان کا نام شاعری کے علاوہ ایک ممتاز نقاد اور ایک صاحبِ فرہنگ کے طور پر انتہائی ادب اور احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ اثرؔ ستان، بہاراں، نو بہاراں کے عنوان سے اُن کی غزلوں کا مجموعہ اور ''عروس فطرت'' ان کی فطری نظموں کا مجموعہ ہے جو مقبولیت کو پہنچا۔ ''رنگ بست'' کے نام سے مشرق و مغرب کی شہکار نظموں کا آزاد ترجمہ ہے۔

اثرؔ صاحب نے اپنے خاندان کی زبان کا فخریہ ذکر یوں کیا ہے:-

زبان خود رقص کرتی تھی وہ تھا لطفِ زباں اپنا
بیاں کو وجد آتا تھا وہ دل کش تھا بیاں اپنا

اپنی خاندانی وجاہت کا اظہار اثرؔ صاحب کی ایک غزل میں بھی ملتا ہے۔

آہ کس سے کہیں کہ ہم کیا تھے
سب یہی دیکھتے ہیں کیا ہیں ہم

اثرؔ صاحب کا سلسلۂ نسب لکھنؤ کے مشہور مغل خاندان سے ملتا ہے۔ اُن کے اجداد میں مرزا علی حسین خاں صاحب مخاطب بہ مسیح الدولہ ابنِ مرزا علی خاں حکیم الملک ہیں۔ یہ خاندان اصفہان سے ہندوستان آیا تھا۔

اثرؔ صاحب کو ہندوستان کے مایہ ناز شاعر عزیزؔ لکھنوی کی شاگردی حاصل ہوئی جسے انھوں نے اپنے ایک شعر میں اس طرح بیان کیا ہے۔

اثرؔ ہے نام ، وطن لکھنؤ ، عزیزؔ استاد
نکالتا ہوں نئے راستے زباں کے لیے

اثرؔ صاحب کی شاعری کا سلسلہ زمانۂ طالب علمی سے شروع ہو گیا تھا پہلے اُن کا تخلّص جعفرؔ تھا مگر عزیزؔ لکھنوی کی شاگردی اختیار کرنے پر انھوں نے تخلّص بدل کر اثرؔ کر دیا۔ اثرؔ صاحب کا یہ شعر اُسی واقعے کی یادگار ہے۔

کس قدر ہیں ستم ظریف عزیزؔ
کہ اثرؔ نام کر دیا میرا

اثرؔ صاحب ۱۲؍جولائی ۱۸۸۵ء کو اپنے خاندانی مکان واقع محلہ کڑہ ابوتراب خاں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ فارسی اور انگریزی کی ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی اور سنہ ۱۸۹۴ء میں جوبلی ہائی اسکول لکھنؤ میں داخل ہوئے۔ انھوں نے ۱۹۰۲ء میں ہائی اسکول اور ۱۹۰۶ء میں بی۔اے کیا اُس کے بعد ایم۔اے انگریزی کا کورس پڑھا اور ایک سال ایل۔ایل۔بی کی تیاری کی لیکن قانون سے طبیعت میں کوئی مناسبت نہیں پائی اس لیے چھوڑ دیا۔

۱۹۰۱ء میں حکیم مرزا عابد حسین خاں صاحب کی بیٹی سے شادی ہوئی۔ حکیم صاحب اثرؔ صاحب کے خسر بھی تھے اور چچا بھی۔

اثرؔ صاحب نے اپنی ملازمت کا آغاز سنہ ۱۹۰۷ء میں سیتاپور سے کیا۔ اُس وقت سیتاپور میں قحط پڑا تھا۔ پھر ۱۹۰۹ء میں انگریزی ملازمت ڈپٹی کلکٹری سے شروع کی۔ یوپی کے مختلف مقامات پر اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ ۱۹۲۰ء تک ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر فائز رہے۔

۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۲ء تک کانپور میں بحیثیت ایگزیکٹیو آفیسر کام کیا اُس کے بعد ۱۹۲۳ء سے ۱۹۳۵ء تک دوبارہ ڈپٹی کلکٹر کی حیثیت سے کام کیا۔ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۰ء تک مستقل کلکٹر رہے۔ ۱۹۴۰ء میں پنشن لی، ریٹائر ہونے کے بعد ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۵ء تک ریاستِ کشمیر میں وزیر رہے اور تقریباً چار ماہ تک وزیر اعظم کشمیر کی قائم مقامی کی۔ ملازمت کے ساتھ ساتھ اثرؔ صاحب نے کشمیر کے مناظرِ قدرت کا بھی مشاہدہ کیا اور اِن مناظرِ قدرت کو نظموں کی شکل میں یکجا کر دیا جو ''عروسِ فطرت'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

۱۹۱۹ء میں ملازمت کے دوران اثرؔ صاحب کو پہلی جنگِ عظیم میں اعلیٰ خدمات کے سلسلے میں برٹش سرکار نے Sword of Honour پیش کی۔ ۱۹۳۵ء اعلیٰ خدمات کے صلے میں سرکار نے خان بہادر کا خطاب دیا اور ۱۹۳۸ء میں ہندو مسلم فساد اور سیلابی انتظام میں اچھا کام کرنے کے صلے میں ایم۔بی۔ای (Member of British Empire) کا خطاب ملا۔ ان خطابات کے علاوہ ''فرہنگِ اثرؔ'' پر زبان اور محاورات کی تحقیق کے سلسلے میں مرکزی حکومتِ ہند نے ان کی ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ۱۹۶۲ء میں پدم بھوشن کے اعزاز سے نوازا۔

اثرؔ صاحب نے ہندو مذہب کی مقدّس ''بھگوت گیتا'' کا آزاد منظوم ترجمہ کیا جو کہ قابلِ ستائش کارنامہ رہا۔ انھوں نے میرؔ، سوداؔ، غالبؔ، آتشؔ، چکبستؔ، اقبالؔ اور انیسؔ پر بھی بہت سے مضمون اور مختلف کتابیں لکھیں جس میں ''مزامیر'' ''مطالعۂ غالبؔ'' اور ''انیسؔ کی مرثیہ نگاری'' سرِ فہرست ہیں۔

اثرؔ صاحب کی شاعری میں مختلف شعرا کی جھلک بھی ملتی ہے۔

کسی بے نشاں کی قبر پہ بیٹھے ہو سوچ میں
چہرہ اُداس ، بال کھلے ، سر جھکا ہوا

اثرؔ صاحب کا یہ شعر مرزا تعشقؔ لکھنوی سے مماثلت رکھتا ہے۔

بھرے ہیں آنکھوں میں آنسو اُداس بیٹھے ہو
یہ کس غریب کی تُربت کے پاس بیٹھے ہو

اثرؔ صاحب کا یہ شعر ہمیں مرزا محمد رفیع سوداؔ کے اس شعر کی یاد دلاتا ہے۔

یہ کیف کیسا ہے آنکھوں میں آج اے ساقی
کہ میرے ہاتھ سے ساغر ہیں چھوٹ پڑا ہوتا

کیفیتِ چشم اُس کی مجھے یاد ہے سوداؔ
ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

اثرؔ صاحب کو مرثیے سے خاص لگاؤ رہا۔ ان کو انیسؔ کے علاوہ دبیرؔ، عشقؔ اور نفیسؔ سے بھی خصوصی انسیت رہی۔ بذاتِ خود اثرؔ صاحب نے فقط دو مرثیے کہے۔

اثرؔ صاحب کو مرثیہ، سلام، قصیدہ، رباعی، مثنوی، نظم، منظوم ڈرامہ، لغت نگاری اور تنقید نگاری سب ہی سے لگاؤ تھا۔ اُن کے کئی دیوان شائع ہیں اس کے علاوہ ان کا بہت کلام اب بھی غیر مطبوعہ دیوان کی شکل میں موجود ہے۔

اثرؔ صاحب کے انتقال کے بعد اُن کے داماد مرحوم علی ارشاد نقوی صاحب نے نہ صرف اُن مراثی کا تحفظ کیا بلکہ ان کو ترتیبی شکل دے کر بطورِ لائبریری جمع رکھا، ان شاء اللہ ان تمام غیر مطبوعہ کلام کو قارئین کے سامنے جلد پیش کیا جائے گا۔

❁❁❁❁

مونسؔ کے مرثیے
(جلد ۱۔۳)
زیرِ طبع
ترتیب و تدوین
اصغر مہدی اشعر

ابرؔ جون پوری کے مرثیے
زیرِ طبع
ترتیب و تدوین
اصغر مہدی اشعر

فرہنگِ انیسؔ و دبیرؔ
زیرِ طبع
ترتیب و تدوین
اصغر مہدی اشعر

ایڈیٹر کے نام خط

(پروفیسر) مہتاب حیدر نقوی علی گڑھ

برادرم اصغر مہدی اشعر صاحب، آداب

برادرم عون پرتاپ گڑھی کی عنایت سے فروغِ مرثیہ کے تمام شمارے موصول ہوئے۔ پڑھ کر حیرت آمیز مسرت کا احساس ہوا کہ اس کساد بازاری کے دور میں بھی رثائی ادب کا کوئی اچھا اور معیاری رسالہ نکل سکتا ہے۔ آپ اور اس رسالہ سے متعلق آپ کے احباب قابل صد مبارک باد ہیں کہ اب تک رسالے کا معیار قائم کیے ہوئے ہیں اور مشاہیر کو اس سے وابستہ کر رکھا ہے۔ فروغِ مرثیہ کے ہر شمارے میں تحقیق و تنقید نیز تخلیق سے متعلق جو چیزیں آپ اب تک شائع کرتے رہے ہیں وہ منتخب اور اعلیٰ درجے کی ہیں۔ ایک گذارش ہے کہ جس طرح ابتدائی شماروں میں آپ نے میرؔ و سوداؔ جیسے بزرگوں کے سلام شائع کیے تھے، اس سلسلے کو یادِ رفتگاں کے تحت جاری رکھیں۔ ابھی چند ماہ قبل میں نے محمد حسین آزادؔ کے کچھ سلام پڑھے تھے مجھے تو بہت پسند آئے، ان کو بھی شائع کیا جا سکتا ہے۔ بہادر شاہ ظفرؔ نے بھی کچھ سلام کہے ہیں۔ اس کے علاوہ بزرگوں کے نثر پاروں کو بھی اسی سلسلے کے تحت آپ شائع کر سکتے ہیں۔ میں نے رسالے کے ہر اداریہ کا بغور مطالعہ کیا ہے جو آپ کی افتادِ طبع، ادبی اور تہذیبی مزاج کی عکاسی کرتے ہیں۔ مرثیہ سے متعلق جو کام آپ کر رہے ہیں وہ یقیناً قابل تعریف ہے۔ خدا آپ کو سلامت رکھے اور توفیقات میں مزید اضافہ کرے۔

فقط والسلام۔

(پروفیسر) مہتاب حیدر نقوی علی گڑھ

www.emarsiya.com

دنیا کی سب سے بڑی ڈیجیٹل مرثیہ لائبریری جہاں آپ انیسؔ و دبیرؔ کے مکمل مطبوعہ مراثی کے علاوہ ۳۲۰ مرثیہ نگاروں کے ۴۰۰۰ سے زائد مراثی حاصل کر سکتے ہیں۔ سوزخواں خواتین و حضرات کے لیے بستۂ سوزخوانی کا بھی انتظام ہے۔ اگر آپ مزید مراثی اس ویب سائٹ پر شامل کرنا چاہیں تو اس ای میل پر رابطہ کریں۔

faroghemarsiya@gmail.com

فروغِ مرثیہ انٹرنیشنل کے تحت شائع ہونے والی کتب

۱۔	فروغِ مرثیہ۔ایک نئے عزم کی ابتدا	اصغر مہدی اشعر	۲۰۱۹ء
۲۔	فرہنگِ انیسؔ (اُردو لغت بورڈ)	اصغر مہدی اشعر	۲۰۱۹ء
۳۔	رثائیاتِ علّامہ طالب جوہری	فرحان رضا	۲۰۲۰ء
۴۔	فروغِ مرثیہ۔پہلا شمارہ	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۰ء
۵۔	فروغِ مرثیہ۔دوسرا شمارہ	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۰ء
۶۔	فروغِ مرثیہ۔تیسرا شمارہ	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۱ء
۷۔	گلزارِ فصیحؔ (اشتراک۔جواہر)	ارتضیٰ عباس نقوی	۲۰۲۱ء
۸۔	فروغِ مرثیہ۔چوتھا شمارہ	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۱ء
۹۔	فروغِ مرثیہ۔پانچواں شمارہ	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۱ء
۱۰۔	فروغِ مرثیہ۔چھٹا شمارہ	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۱ء
۱۱۔	فرہنگِ دبیرؔ (ورثہ)	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۱ء
۱۲۔	دبیرؔ کے مرثیے۔جلد اوّل	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۱ء
۱۳۔	فروغِ مرثیہ۔ساتواں شمارہ	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۲ء
۱۴۔	فرہنگِ جوشؔ	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۲ء
۱۵۔	فروغِ مرثیہ۔آٹھواں شمارہ	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۲ء
۱۶۔	وحیدِ سخن (اشتراک۔جواہر)	ارتضیٰ عباس نقوی	۲۰۲۲ء
۱۷۔	خونِ شہیداں (اشتراک۔ورثہ)	ممتاز جون پوری	۲۰۲۲ء
۱۸۔	فروغِ مرثیہ۔نواں شمارہ	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۲ء
۱۹۔	دبیرؔ کے مرثیے۔جلد دوم	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۲ء
۲۰۔	فروغِ مرثیہ۔دسواں شمارہ	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۲ء
۲۱۔	کینیڈا اور امریکہ کے مرثیہ نگار	اختر آصف زیدی	۲۰۲۳ء
۲۲۔	فروغِ مرثیہ۔گیارہواں شمارہ	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۳ء
۲۳۔	دبیرؔ کے مرثیے۔جلد سوم	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۳ء
۲۴۔	فروغِ مرثیہ۔بارھواں شمارہ	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۳ء
۲۵۔	فروغِ مرثیہ۔تیرھواں شمارہ	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۳ء
۲۶۔	دبیرؔ کے مرثیے۔جلد چہارم	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۳ء
۲۷۔	اجزائے مرثیہ کا موجد؛ میر ضمیرؔ	زائر حسین ثالثی	۲۰۲۳ء
۲۸۔	فروغِ مرثیہ۔چودھواں شمارہ	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۳ء
۲۹۔	کراچی کی عزاداری (اشتراک۔ورثہ)	عقیل عباس جعفری	۲۰۲۳ء
۳۰۔	فروغِ مرثیہ پندرھواں شمارہ	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۴ء
۳۱۔	کلیاتِ صغیرؔ سونوی۔جلد اوّل	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۴ء
۳۲۔	فروغِ مرثیہ۔سولھواں شمارہ	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۴ء

www.emarsiya.com
دنیا کی سب سے بڑی ڈیجیٹل مرثیہ لائبریری
جہاں آپ انیسؔ و دبیرؔ کے مکمل مطبوعہ مراثی
کے علاوہ ۳۲۰ مرثیہ نگاروں کے تقریباً ۴۰۰۰ مرثیے
حاصل کر سکتے ہیں۔سوز خواں خواتین و حضرات کے لیے
بستۂ سوز خوانی کا بھی انتظام ہے۔
اگر آپ مزید مراثی اس ویب سائٹ پر شامل کرنا چاہیں
تو اس ای میل پر رابطہ کریں۔
faroghemarsiya@gmail.com